ماہنامہ

قلندر شعور

نومبر ۲۰۱۹ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

عرش
کرسی
سدرۃ المنتہیٰ

رب العالمین وسائل تخلیق فرماتے ہیں
رحمۃ للعالمین اللہ کے محبوب ــ
حضرت محمدؐ تقسیم فرماتے ہیں

بیت المعمور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مقام

جلد 7 شمارہ 10 | نومبر 2019ء | ربیع الاوّل ـ ربیع الثانی 1441ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

قلندر شعور

کراچی

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 80 روپے.....سالانہ ہدیہ 1080 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ ، بیرونِ پاکستان 70 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۳۳ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ	مولانا ضیاء دہلوی	10
مدحت شان رسولؐ	ادارہ	11
حقیقتِ محمدیہؐ	ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ	19
آج کی بات	مدیر مسئول	20
فقیر کی ڈاک	ادارہ	26
نامے میرے نام	خانوادہ سلسلہ عظیمیہ	29
دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبیؐ	عرفانہ شہزاد	33
پیرا سائیکالوجی ــ مسائل کا حل	خواجہ شمس الدین عظیمی	41
بی بی آمنہؓ کے پھول	گلِ نسرین	45
محبوب رب العالمینؐ	عثمان طاہر	51
راز در ــ راز	نفیسہ شاکر	59
روحانیت اور سائنس ــ؟	حامد ابراہیم (M.A-Fine Arts)	63
حرکت میں برکت ہے	زاہدہ تبسم (M.Sc-Zoology)	69
لاکھ آزادیاں اک تیری غلامی پر نثار	تالیف: قرۃ العین واسطی	75
پھولنا اور سمٹنا خمیر ہے	ڈاکٹر نعیم ظفر (Ph.D.) UAE	81
ہوا مخلوق ہے	ادارہ	87

عقل مند چیتا	لیفٹیننٹ کرنل اے لاک	93
اگست 2019ء کے سرورق کی تشریح	قارئین	99
برقی خط	نیرّ اعظم	103
گاؤں کی بیٹی سب کی بیٹی	عابد محمود	109
اقتباسات	قارئین	115
پورب کے ہم زاد	محمد عدنان خان (M.Sc-Applied Physics)	117
اللہ میاں کے باغ کے پھول — اولی الالباب بچے	ادارہ	123
یا محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں	حسن زمان	125
اناج کا دانہ	لیوطالسطائی	131
آپ کے خواب اوران کی تعبیر	عظیمی خواجہ شمس الدین	135
What Do We See?	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	145
The Path to Detachment	Umar Tariq	149
Prophet Jesus (PBUH)	Extracted	153
The Reward of Good Deeds	Roshan Sitara	157
The Reel of Film	Bibi Anuradha (UAE)	161
Sheikh Ibn al-Arabi (RA)	Gul-e-Nasreen	167
Message of the Day	K. S. Azeemi	172

مولانا ضیاء دہلوی

حمد باری تعالیٰ

اے خالق جہاں ہے سارا جہان تیرا
ساری زمین تیری یہ آسمان تیرا

سب نعمتیں جہاں کی تو نے ہمیں عطا کیں
کیا شکر کرسکیں ہم اے مہربان تیرا

تو صانع جہاں ہے قدرت تری عیاں ہے
ہر صنعت اک نشاں ہے بے نشان تیرا

ہر وقت ذکر تیرا یارب! کریں نہ کیوں ہم
دل مطمئن ہو جس سے وہ ہے نشان تیرا

پہچانتے ہیں تجھ کو ہم علم کی بدولت
اس سے ہے قرب حاصل اے مہربان تیرا

فرش زمیں ہے یارب! راحت کا فرش ہم کو
رحمت کا سائباں ہے یہ آسمان تیرا

توفیق دے الٰہی! ہم سے ہو تیری طاعت
یہ سر رہے ہمارا اور آستان تیرا

مدحت شان رسول ﷺ

۱	حضرت سلیمان علیہ السلام	(عبرانی۔ترجمہ)
۲	بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا	(عربی)
۳	صحابی جن — حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
۴	حضرت شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ	
۵	پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	(فارسی)
۶	حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ	
۷	حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ	
۸	حکیم سنائی غزنوی	
۹	عابد بریلوی	(اردو)
۱۰	ارشد ملک	
۱۱	مولانا ظفر علی خان	
۱۲	اقبال عظیم	
۱۳	ورقہ بن نوفل	
۱۴	قیس جالندھری امر چند	
۱۵	دھنپت رائے تھاپر	
۱۶	مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ	(سندھ)
۱۷	میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ	(پنجاب)
۱۸	رحمان بابا رحمۃ اللہ علیہ	(خیبر پختونخوا)
۱۹	قاضی عبدالرحیم صابر	(بلوچستان)
۲۰	حضرت عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ	(کشمیر)
۱۲	بی بی انورادھا	(انگریزی)
۲۲	حفیظ جالندھری	سلام

بخدمتِ اَقدس

اللہ رب العالمین کے محبوبؐ ـــ رحمۃ للعالمینؐ

(۱)

میرا محبوب نورانی گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے، اس کا سر ہیرے جیسا چمک دار ہے، اس کی زلفیں پیچ در پیچ اور سیاہ ہیں۔ اس کی آنکھیں جیسے وہ کبوتر جو دودھ میں نہا کر لبِ دریا تمکنت سے بیٹھے ہوں۔ اس کے رخسار پھولوں کے چمن اور بلسان کی ابھری ہوئی کیاریاں ہیں۔ اس کے ہونٹ سوسن ہیں جن سے رقیق مرُ* ٹپکتا ہے۔ اس کے ہاتھ سونے جواہر سے جڑے ہوئے اور پیٹ جیسے جواہر سے لپی ہوئی ہاتھی دانت کی تختی۔ اس کی پنڈلیاں کندن کے پایوں پر سنگ مرمر کے ستون ہیں۔ اس کا چہرہ مانند ماہتاب ہے۔ وہ خوبی میں رشکِ سرو ہے۔ اس کی آواز نہایت شیریں ہے اور وہ محمدؐ ہے۔ یہ ہے میرا پیارا اور میرا محبوب، اے یروشلم کی بیٹیو!

(۲)

ماذا علٰی من شَمّ تربة احمدؐ الّا یشمّ مدی الزمان غوالیا

یا خاتم الرسل المبارك صنوة صلیّ علیك منزل القراٰن

جس نے ایک مرتبہ روضۂ مبارکؐ کی خاک سونگھ لی تعجب کیا ہے اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوش بو نہ سونگھے

اے آخری رسولؐ! آپ برکت کی جوئے فیض ہیں آپؐ پر قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود بھیجا ہے

(۳)

فانخ نبی الہ الخلق اتت بفضائله الكتب

لنبی هدی ونسیج تقی فبذاك تدین له العرب

* رقیق مرُ (لعاب دہن کی خوش بو)

ٹھہرٹھہرا ے مسافر! قافلے کے اونٹوں کو بٹھا دے اور پیغمبرِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہو جن کے فضائل میں بہت سی کتابیں آئی ہیں۔ وہ نبی ہادیؐ ہیں جن کا جامہ تقویٰ کے تاروں سے بنا ہوا ہے۔ اسی لئے سارا عرب ان کے دین پر جاں نثار اور ان کے نام پر فدا ہے۔

۴

الصبح بدا من طلعتہ — واللیل دجا من وفرتہ
اذکی النسب اعلی الحسب — کل العرب فی خدمتہ
سعت الشجر نطق الحجر — شق القمر باِشارتہ
فمحمدنا ھو سیدنا — والعزلنا لاِجابتہ

سحر طاری ہوئی ہے آپؐ کے ماتھے کی طلعت سے — یہ رونق رات نے پائی ہے زلفوں کی عنایت سے
نسب اُن کا حسب اُن کا بہت ارفع، بہت اعلیٰ — شرف پایا ہے سارے عالموں نے اُن کی خدمت سے
شجر خدمت میں آئے پتھروں نے بات کی ان سے — قمر شق ہوگیا ان کی انگشتِ شہادت سے
ہمارے سید و مولا محمدؐ ہیں محمدؐ ہیں — کہ عزت ہے ہمارے واسطے اُن کی اطاعت سے

۵

ای قصر رسالت تو معمور — منشور لطافت از تو مشہور
روشن ز وجود توست کونین — ای باطن و ظاہرت ھمہ نور
ای سید انبیای مرسل — ای سرور اولیای مستور
محی بہ غلامی تو زد لاف — از راہ کرم بدار معذور

رسالت کا قصر آپؐ کی ذات سے معمور ہے — لطف وکرم کا آئین آپؐ سے جہاں میں پھیلا ہے
کون و مکاں آپؐ سے روشن ہیں — ظاہر و باطن میں آپؐ سراپا نور ہیں
آپؐ نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں — اور اولیائے مستور کے سَرور ہیں
محی الدینؒ نے آپؐ کی غلامی کا دعویٰ کیا ہے — براہ کرم اس غلام کا مواخذہ نہ کیجئے

(٦)

صبا بسوئے مدینہ روکن ازیں دعا گو سلام برخواں | بگرد شاہ مدینہ گردو بصد تضرع پیام برخواں
بشو زمن صورت مثالی نماز بگزار اندر آں جا | بہ لحن خوش سورۂ محمد تمام اندر قیام برخواں
بہ لحن داؤد ہمنوا شو بہ نالۂ درد آشنا شو | بہ بزم پیغمبر ایں غزل راز عبدِ عاجز نظاؔم برخواں

اے بادِ صبا مدینہ جا کے میرا سلام کہنا | شاہِ مدینہؐ کا طواف کرکے عقیدت سے پیام دینا
میری مثلِ صورت ڈھل کر صلوٰۃ قائم کرنا | پھر قیام میں خوش الحانی سے سورۂ محمد کی قرأت کرنا
لحن داؤدیؑ سے ہم آواز ہوکر نالۂ درد سے آشنا ہونا | بزمِ نبیؐ میں عاجز بندہ نظاؔم کی جانب سے یہ غزل پڑھنا

(٧)

اے ثنایت رحمۃ للعالمین | یک گدائے فیض تو روح الامین
اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال | زد رقم برجبہہ عرش بریں
از جمال تو ہے بینم مسا | جلوہ در آئینۂ عین الیقین
غیر صلوٰۃ و سلام و نعت تو | بوعلؔی را نیست ذکرِ دلنشیں

جس ہستی کی یہ ثنا ہے وہ عالمین کے لئے رحمت ہیں | روح الامین بھی آپؐ سے فیض یاب ہوتے ہیں
خدائے ذوالجلال نے آپؐ کے اسم گرامی کو | عرش بریں کی پیشانی پر نقش کردیا ہے
آپؐ کے جمال سے جلوۂ شب | عین الیقین کے آئینہ میں دیکھتا ہوں
آپؐ پر درود و سلام اور آپؐ کی مدحت کے سوا | بوعلؔی کے لئے کوئی ذکر دل نشیں نہیں ہے

(٨)

خال تو بس با کمال وفضل تو بس با جمال | روی تو نور مبین و رای تو حبل المتین
نقش نعل مرکب تو قبلۂ روحانیاں | خاکپای چاکرانت توتیای حور عین
ایں صفات ونعت آن مردست کاندر آسماں | از برای طلعتش می تابد این شمس مبیں
ای سنایی گر ز دانایی بجویی مهر او | جز کمالش را مدان و جز جمالش را مبیں

آپؐ کی زیبائش با کمال اور آپؐ کا فضل با جمال ہے آپؐ کا چہرہ نورِ مبین اور نسبت مضبوط رسی ہے
آپؐ کی سواری کا نقشِ پا روحانی سالکین کا قبلہ ہے غلامانِ رسولؐ کی خاکِ پا حوروں کی آنکھ کا سرمہ ہے
یہ صفات اور مدحت اس ہستی کی ہے جن کے چہرہ کی ضو سے آسمان میں سورج چمکتا ہے
اے سنائی ! آپؐ کی عطا سے نورِ فراست مل جائے تو ہر شے ان کے کمال سے جانو اور جمال سے دیکھو گے

۹

جشن آمد رسولؐ اللہ ہی اللہ، بی بی آمنہؓ کے پھول اللہ ہی اللہ
چہرۂ مصطفیٰؐ جب دکھایا گیا، جھک گئے تارے اور چاند شرما گیا
حواؑ مریمؑ بھی خوشیاں منانے لگیں، آمنہ بی بیؓ سب سے یہ کہنے لگیں
دعا ہوگئی قبول اللہ ہی اللہ، بی بی آمنہؓ کے پھول اللہ ہی اللہ
شادیانے خوشی کے بجائے گئے، شاد کے نغمے سب کو سنائے گئے
ہر طرف شور صل علیٰ ہوگیا، آج پیدا حبیب خداؐ ہوگیا
پھر جبریلؑ نے بھی یہ اعلاں کیا، یہ خدا کے ہیں رسولؐ اللہ ہی اللہ

۱۰

وہ جو کائنات کی جان ہیں وہ جو منزلوں کا نشان ہیں
وہ جو رحمتوں کا جہان ہیں وہ جو بیکسوں کی امان ہیں
کرو ذکر میرے حضورؐ کا کہ کھلے دریچہ شعور کا

۱۱

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
رحمت کی گھٹائیں پھیل گئیں افلاک کے گنبد گنبد پر وحدت کی تجلی کوندگئی آفاق کے سینازاروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا وہ راز اک کملی والےؐ نے بتلادیا چند اشاروں میں

(۱۲)

جہاں روضۂ پاکؐ خیرالوریٰ ہے وہ جنت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
کہاں میں کہاں یہ مدینے کی گلیاں یہ قسمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
محمدؐ کی عظمت کا کیا پوچھتے ہو کہ وہ صاحبِ قابَ قوسین ٹھہرے
بشر کی سرِ عرش مہماں نوازی یہ عظمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپالے جو دشمن کو بھی زخم کھا کے دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

(۱۳)

بأن محمدا سیسود فینا و یخصم من یکون لہ حجیجا
ویظہر فی البلاد ضیاء نور یقیم بہ البریہ أن تموجا

محمدؐ عن قریب ہم میں سردار ہوجائیں گے اور جو شخص ان کی نمائندگی کرے گا وہی غالب رہے گا۔ تمام شہروں میں ان کے نور کی ضیا پھیلے گی جو خلقِ خدا کو صراط مستقیم پر چلائے گی اور انتشار سے بچائے گی۔

(۱۴)

وہ ابرِ فیضِ نعیم بھی ہے نسیمِ رحمت شمیم بھی ہے شفیق بھی ہے خلیق بھی ہے رحیم بھی ہے کریم بھی ہے
وہ معنیٔ حسن آفرینش نظر نواز ہر اہل بینش حبیب رب جلیل بھی ہے جمیل بھی ہے سلیم بھی ہے
وہ حاملِ صاحب وشریعت وہ مرشد و ہادیٔ طریقت معلمِ معرفت بھی ہے اور رموزِ حق کا علیم بھی ہے
ہوا جو یثرب سے آرہی ہے ہر اک کلی کو کھلا رہی ہے یہی ہوا ہے نسیمِ رحمت یہی لطافت شمیم بھی ہے

(۱۵)

اللہ اللہ شانِ ظہور فرشِ نبیؐ اک چادر نور
زلفِ سیاہ شبِ دیجور چہرۂ زیبا جلوۂ طور
نازِ حسیناں گردِ خرام کملی والےؐ تجھ پہ سلام

سندھ

آھين حسن ازل جو راز بہ تون، قدرت جو ناز غماز بہ تون

محبوب بہ تون، مطلوب بہ تون، قاصد بہ تون ۽ پيغام بہ تون

ہیں حسنِ ازل کے راز بھی آپؐ، قدرت کا ناز غماز بھی آپؐ

محبوب بھی آپؐ، مطلوب بھی آپؐ، قاصد بھی اور پیغام بھی آپؐ

پنجاب

ہویا سوار براقے اُتے اوہ سلطان عرب دا چائی واگ محبت والی، ٹریا راہ طلب دا

سبھ کسے تھیں گئے اگیرے چاء چاء پردے نوری قابَ قوسین اَو ادنیٰ تائیں پایا شانِ حضوری

وہ عرب کا سلطانؐ براق پر سوار ہوا محبت کی باگیں سنبھال لیں اور طلب کی راہ پر چل پڑا

نوری مقامات طے کرتے ہوئے آگے بڑھتا گیا پھر اسے قابَ قوسین والی شانِ حضوری عطا ہوئی

خیبر پختونخوا

که رڼړا ده پیروی د محمّد ده کنړه نشته په جهان بله رڼړا

محمدؐ کے نور کی پیروی کی جائے تو اس سے بڑی ہدایت کی روشنی دنیا میں نہیں

بلوچستان

حبیب ءَ خدا رحمت دو جہان کناں گوں تو پر یاد یامصطفیٰؐ

زبان ءَ تئی نام جاری بہ بات ماں زدر ءَ تئی یاد یامصطفیٰؐ

حبیبِؐ خدا رحمتِ دو جہاں میری آپؐ سے ہے فریاد یامصطفیٰؐ

زبان پہ آپؐ کا ورد جاری رہے دل میں ہو آپؐ کی یاد یامصطفیٰؐ

کشمیر

عشقک مقصد سہ چھہ حقانی حسنک مصدر سوی دلدار

عشق کا اولین مقصد آپؐ ہیں آپؐ حسن و جمال کے باعث محبوب حق تعالیٰ ہیں

انگریزی

The Divine Artist blew his breath into statues of clay,

For you Beloved Prophet of God and ordained they obey,

As mercy you salvaged mankind from putrefying dust,

Embracing both the believers and sinners alike.

For in your eyes there is no precious, no grime,

All there was, is and will be - The Almighty Divine.

سلام

سلام اے آمنہ کے لالؐ، اے محبوب سبحانیؐ
سلام اے فخرِ موجوداتؐ، فخر نوعِ انسانیؐ

سلام اے ظل رحمانیؐ ، سلام اے نور یزدانیؐ
ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانیؐ

تیرے آنے سے رونق آگئی گلزار ہستی میں
شریک حال قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربانیؐ

تری صورت تری سیرت ترا نقشہ ترا جلوہ
تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہوجائے
ترے پرتوں سے مل جائے ہر اک ذرّے کو تابانی

ترا در ہو، مرا سر ہو، مرا دل ہو، ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

سلام اے آمنہ کے لالؐ، اے محبوب سبحانیؐ
سلام اے فخرِ موجوداتؐ، فخر نوعِ انسانیؐ

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ

حقیقتِ محمدیہ ﷺ

واہمہ سے شروع ہو کر خیال، تصور، احساس — پھر تصور اور خیال تک نزول اور صعود کے چھ قدم ہوتے ہیں۔ ان ہی چھ مسافتوں کو لطائف ستّہ کہا جاتا ہے لیکن واہمہ سے احساس تک بُعد صرف چار ہوتے ہیں۔ ان چار بُعد یا چار شعوروں میں ایک شعور ہے اور تین لاشعور ہیں۔ سب سے اول ہمیں واہمہ سے ربط قائم رکھنا پڑتا ہے پھر خیال اور تصور سے۔ البتہ یہ تینوں حالتیں ہمارے شعور سے بالاتر ہیں۔ فقط چوتھی حالت جس کو رویت کہا جاتا ہے، ہم سے متعارف ہے۔

رویت کا شعور باقی تین لاشعور کا مجموعہ ہے۔ ہم اول ورائے کائناتی شعور سے جو غیر متغیر ہے اپنی حیات کی ابتدا کرتے ہیں۔ یعنی صفات الٰہیہ میں ایک فوارہ پھوٹتا ہے اور وہ فوارہ تیسرے قدم پر فرد بن جاتا ہے۔ پہلے قدم پر فوارہ کا ہیولیٰ کائنات کی شکل میں ہوتا ہے، دوسرے قدم پر وہ کائنات کی کسی ایک نوع کا ہیولیٰ بنتا ہے اور تیسرے قدم پر وہ فرد بن کر رونما ہو جاتا ہے۔

فرد کی حالت میں لاشمار رنگوں کا ایک فوارہ وجود میں آتا ہے۔ ان لاشمار رنگوں کی ترتیب کو احساس میں قائم رکھنا تقریباً محال ہے۔ اس ہی لئے شعور چہارم کے حواس کبھی بہت زیادہ غلطیاں کرتے ہیں۔ اس ترتیب کو اکثر قیاس کے ذریعے قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہ کوشش قریب قریب ناکام رہتی ہے۔ اس ہی واسطے روحانی علوم میں شعور چہارم پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ شعور سوئم میں کائنات کے ہر ذرّہ کا ربط فرد کے ذہن سے منسلک ہوتا ہے۔ کائنات میں جو کچھ تغیرات ہو چکے ہیں یا ہونے والے ہیں وہ فرد کے شعور دوئم میں مجتمع ہوتے ہیں۔ شعور دوئم کا ہیولیٰ ازل سے ابد تک کی کُل کائناتی فعالیت کا ریکارڈ ہوتا ہے۔ اس شعور میں وہ تمام اجزا پائے جاتے ہیں جو کُل موجودات کی اصل ہیں۔

روحانیت میں سب سے اہم ذریعۂ اعتماد شعور اول ہے کیوں کہ شعور اول میں مشیت الٰہی بے نقاب ہوتی ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں حقیقت الحقائق اس ہی شعور کا نام ہے۔ اس ہی کو حقیقت محمدیہؐ کہتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیش تر کسی نبی نے اس شعور کے بارے میں تبصرہ نہیں کیا۔ درسِ عیسوی کی ابتدائیں بھی شعور دوئم سے ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے اس شعور کی تحقیق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے۔ اس ہی باعث قرآنی متصوفین اس کو حقیقت محمدیہؐ کے نام سے پکارتے ہیں۔ انبیائے مرسلین کی وحی کا منتہا شعور دوئم اور انبیا کی وحی کا منتہا شعور سوئم ہے۔ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ نبی مرسل ہیں جن کی وحی کا منتہا شعور اول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''اگر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ کرتا تو کائنات کو نہ بناتا۔'' اس ہی وجہ سے قرآن پاک میں شعور اول کو علم القلم کے نام سے متعارف کرایا گیا ہے۔

آج کی بات

''قسم ہے زمانے کی، انسان خسارے اور نقصان میں ہے مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو رسالتؐ اور قرآن کی تعلیمات کو اپنا کر اس پر عمل کرتے ہیں۔''

پیدائش کے بعد انسان کا تعلق تین نظاموں سے ہے۔

- پہلا نظام جہاں اس نے خالقِ حقیقی کو دیکھ کر اس کے منشا کو پورا کرنے کا عہد کیا۔
- دوسرا نظام عالمِ ناسوت، دارالعمل یا امتحان گاہ ہے۔
- تیسرے نظام میں انسان کو امتحان کی کام یابی یا ناکامی سے باخبر کیا جاتا ہے۔

کام یابی کا دارومدار اس پر ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ اس نے اللہ کے سامنے عہد کیا ہے کہ اللہ اس کا خالق اور رب ہے۔ علمائے باطن فرماتے ہیں کہ انسان ستّر ہزار پرت کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق انسان جب عالمِ ناسوت میں آتا ہے تو اس کے اوپر ایک پرت ایسا غالب آجاتا ہے جس میں سرکشی، بغاوت، عدم تحفظ، عدم تعمیل، کفرانِ نعمت، ناشکری، جلد بازی، شک، بے یقینی اور وسوسوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ یہی وہ ارضی زندگی ہے جس کو قرآن کریم نے اسفل سافلین کہا ہے۔

انبیائے کرام کی تعلیمات ہیں کہ پوری کائنات میں دو طرزیں کام کر رہی ہیں۔ ایک طرز اللہ کے لئے پسندیدہ ہے اور دوسری طرز اللہ کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ ناپسندیدہ طرز بندے کو اللہ سے دور کرتی ہے اس کا نام ابلیسیت ہے اور پسندیدہ طرزِ فکر جو بندے کو اللہ سے قریب کرتی ہے، رحمت ہے۔

روحانیت کے راستے پر چلنے والے مبتدی کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ انسان کا کردار اس کی طرزِ فکر سے تعمیر ہوتا ہے۔ طرزِ فکر میں اگر پیچ ہے تو آدمی کا کردار بھی پُر پیچ بن جاتا ہے۔ طرزِ فکر الٰہی قانون کے مطابق راست ہے تو بندے کی زندگی میں سادگی اور راست بازی کارفرما ہوتی ہے۔ طرزِ فکر اگر سطحی ہے تو بندہ سطحی طریقے پر سوچتا ہے۔ طرزِ فکر میں گہرائی ہے تو بندہ شے کی حقیقت جاننے کے لئے تفکر کرتا ہے۔

حقیقت پسند طرزِ فکر ہر آدمی کے اندر موجود ہے لیکن ہر آدمی اسے استعمال نہیں کرتا۔ آدمی دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی غیر حقیقی باتوں کو اصل اور حقیقی سمجھتا ہے۔

سالک جب راہِ سلوک میں قدم بڑھاتا ہے تو والدین اور معاشرے سے ملی ہوئی غیر حقیقی طرزِ فکر تبدیل ہو جاتی ہے۔

جس قسم کا ماحول ہوتا ہے اس طرز کے نقوش کم و بیش ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں۔ جس حد تک یہ نقوش گہرے ہوتے ہیں اسی مناسبت سے انسانی زندگی میں طرزِ فکر بنتی ہے۔ ماحول اگر ایسے کرداروں سے بنا ہے جو ذہنی پیچیدگی، بے یقینی، بددیانتی، تخریب اور ناپسندیدہ اعمال کا مظاہرہ کرتے ہیں تو فرد کی زندگی امتلا میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ماحول میں اگر راست بازی اور اعلیٰ اخلاقی قدریں موجود ہیں تو ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والا فرد پاکیزہ نفس اور حقیقت آشنا ہوتا ہے۔

مادری زبان سیکھنے کے لئے بچے کو قاعدہ پڑھنا نہیں پڑتا ـــ شک اور بے یقینی کا پیٹرن جس طرح بچے کے اندر ماحول سے خود بخود منتقل ہو جاتا ہے اسی طرح پاکیزہ ماحول اور روحانی استاد کی قربت سے سالک کے اندر یقین کا پیٹرن بن جاتا ہے۔

جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے سب کی طرزِ فکر یہ تھی کہ ماورائی ہستی کے ساتھ ہمارا رشتہ قائم ہے۔ یہی روحانی طرزِ فکر ہے اور یہی رشتہ کائنات کی رگِ جان ہے۔

• • ــــــــــ • •

روحانی طرزِ فکر مسلسل عمل ہے جو سالک کے اندر خون کی طرح دور کرتا ہے۔ اس عمل میں بڑی رکاوٹ صدیوں پرانی وہ روایات ہیں جن کا مطمح نظر مادیت ہے۔ آدمی جس ماحول میں جوان ہوتا ہے وہ ماحول خاندان اور قبیلوں کی روایات بن جاتی ہیں۔ روایات کے امین والدین، بھائی بہن، کنبہ برادری کے لوگ اور قرابت دار ہوتے ہیں۔

انسانی برادری میں دو طرح کے لوگ ہیں۔

۱۔ جو خاندانی روایات میں زندہ رہتے ہیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور اگر ہو رہا ہے تو کیوں ہو رہا ہے۔ ان کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہمارے باپ دادا اس طرح کرتے تھے۔

۲۔ دوسرا گروہ سوچتا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ کیا صحیح اور کیا غلط ہے۔

مشرکین مکہ باوجودیکہ جانتے تھے کہ 360 بت ہمارے جیسے آدمیوں نے پتھروں سے تراشے ہیں، یہ آدمیوں کی طرح بول نہیں سکتے، سن نہیں سکتے ــــ لیکن خاندانی روایات کا اتنا زیادہ غلبہ تھا کہ وہ ان بے جان پتھروں کے مجسم ٹکڑوں کو خدا کا درجہ دیتے تھے۔ نہ صرف خود خدا مانتے تھے بلکہ کوئی اس حقیقت کو بیان کرتا تھا کہ تمہارے خدا پتھروں کے بے جان مجسمے ہیں تو اس کے درپے آزار ہو جاتے تھے۔ شرم ناک حد تک سزائیں دینا ان کے نزدیک بہترین عمل تھا۔ صدیوں پرانی روایات اور جہالت کی گرد سے اٹا ہوا ماحول آدمی کے اندر سے فہم کا چشمہ خشک کر دیتا ہے۔

• • ــــــــــــــــــ • •

ہمارے سامنے ہمارے بچوں کی مثال ہے۔ ہم جب بچوں کو جہالت سے معمور ماحول سے الگ کر کے علمی ماحول میں داخل کرتے ہیں تو ــــ دراصل جہالت کے خلاف اعلانِ بغاوت کرتے ہیں۔ بچے کو اسکول (جاہلانہ ماحول سے آزاد ماحول) میں داخل کرتے ہیں۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے میں دس سال لگ جاتے ہیں۔

ایک سال کا وقفہ شمار کیا جائے تو ساڑھے تین ہزار گھنٹے صرف کر کے بچہ اس قابل

ہوتا ہے کہ وہ 100 تک گنتی یاد کر لیتا ہے۔

میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے میں 35 ہزار گھنٹوں کا وقت اور ہزاروں روپے صرف ہوتے ہیں۔ ان 35 ہزار گھنٹوں میں ماں کی کوشش ہوتی ہے کہ بچہ پڑھائی میں لگا رہے۔

باپ بھی اس طرف توجہ دیتا ہے کہ بچے کی تعلیم میں کوتاہی نہ ہو۔

بھائی بھی کتابیں کاپیاں لے کر ساتھ بیٹھ جاتا ہے۔

بہن بھی پڑھنے کی تلقین کرتی ہے۔

گھر کے سب افراد توجہ دیتے ہیں تب سیکنڈری سطح کی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم ابھی شروع نہیں ہوئی۔

میٹرک کے بعد راستہ کھلتا ہے کہ کس شعبے میں آگے بڑھنا ہے۔ ڈاکٹر بننا ہے، انجینئر بننا ہے، اکاؤنٹنٹ بننا ہے، جہاز اڑانا ہے، مشین بنانی ہے وغیرہ وغیرہ۔ دس سال میں آدمی عالم نہیں بن جاتا۔ قابلِ ذکر علوم کے حصول کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے۔

یہ تذکرہ دنیاوی تعلیم کا ہے۔

• • ——— • •

دوسری طرف روحانی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آدمی ہفتے میں ایک گھنٹا پڑھتا ہے۔ اس تناسب سے ایک ماہ میں چار گھنٹے اور ایک سال میں 48 گھنٹے بنتے ہیں۔ دیگر معمولات بھی جاری رہتے ہیں۔ کاروبار بھی ہوتا رہتا ہے۔ ملازمت کی پابندی کی جاتی ہے۔ شادی بیاہ اور دیگر امور بھی انجام دیئے جاتے ہیں اور صدیوں پرانی روایات اور ماحول سے بھی آدمی ذہنی طور پر وابستہ رہتا ہے۔

ایک سال میں صرف 48 گھنٹے صرف کر کے اگر یہ سوچا جائے کہ کچھ حاصل نہیں ہوا، میں کشف کی لذت سے آشنا نہیں ہوا، مافوق الفطرت باتیں سامنے نہیں آئیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ روحانیت کی اہمیت دنیاوی علوم کی ابتدائی کلاسوں سے بھی کم کر دی گئی ہے۔

دس سال تک ہر سال ساڑھے تین ہزار گھنٹے صرف کرنے کے بعد طالب علم اس قابل ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے کسی شعبے کا انتخاب کرے تو 87 ہزار چھ سو گھنٹوں میں 480 گھنٹے کا وقت دے کر وہ کس طرح کہتا ہے کہ روحانی علوم حاصل نہیں ہوئے — ؟

• • ——————— • •

خالص دنیاوی ماحول میں رائج طرزِ فکر سے روحانی استاد کی طرزِ فکر منفرد ہوتی ہے۔ روحانی استاد میں توکل اور استغنا ہوتا ہے، دنیا طلبی نہیں ہوتی۔ اس کی مرکزیت "توحید" ہے۔ روحانی علوم سیکھنے کے لئے طالبات اور طلبا کے لئے ضروری ہے کہ ان کے اندر منفی روایات سے بغاوت کرنے کا حوصلہ اور جذبہ ہو — صراطِ مستقیم پر چلنے اور مستقل مزاجی سے آگے بڑھنے کا عزم ہو۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم پر قائم رہنے اور اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنے کے لئے طاغوتی طاقتوں اور نفس کی ہر سرکشی سے ٹکرانے اور انہیں زیر کرنے کی ہمت ہو۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مثبت طرزِ فکر کو فروغ دینے میں شر کے نمائندوں کی طرف سے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ توحید کے راستے میں ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی پریشانیوں اور ذہنی اذیتوں میں گزر گئی اور بالآخر وہ اللہ کا پیغام پہنچانے میں کامیاب و کامران ہوئے۔

وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا۔

• • ——————— • •

خواتین و حضرات! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کریں اور سیرتِ طیبہ کو بار بار پڑھیں اور اس بات پر غور و فکر کریں کہ حضور سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الٰہی مشن کو پھیلانے، وحدانیت کا پرچار کرنے اور کفار کو حلقۂ توحید میں لانے کے لئے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔

ہم جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو حرزِ جان بنالیں گے تو روحانی علوم کو فروغ دینے اور ان علوم کو نوع انسانی تک پہنچانے میں ہر ہر قدم پر اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاون ملتا ہے۔ بلاشبہ ہم دنیا میں کامران اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخرو ہوں گے۔

جرأت مندانہ اقدام کرنے،

دل شکن حالات سے گزرنے اور

لوگوں کی الزام تراشیوں کو نظرانداز کرنے کا ہمارے اندر حوصلہ پیدا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں،

''اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوط پکڑو اور آپس میں تفرقہ میں نہ پڑو۔'' (اٰل عمران: ۱۰۳)

ہم سب خواتین و حضرات جن کے شانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تعلیمات عام کرنے کی ذمہ داری ہے بلاشبہ خوش بخت اور سعید ہیں۔ اس سعادت اور خوش بختی کی حفاظت کے لئے اور اس سعادت اور خوش بختی کا شکر ادا کرنے کے لئے ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ ساز سیرت کا بار بار مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''قسم ہے زمانے کی، انسان خسارے اور نقصان میں ہے مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو رسالتؐ اور قرآن کی تعلیمات کو اپنا کر اس پر عمل کرتے ہیں۔''

اللہ حافظ

فقیر کی ڈاک

ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ غور و فکر ہے۔ غور و فکر سے خیال میں گہرائی روشن ہوتی ہے۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ماضی کے اوراق میں سے ایک خط پیش خدمت ہے۔

جناب عظیمی صاحب ـــ السلام علیکم،

سوال یہ ہے کہ آدمی بعض اوقات امید اور یقین کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ساتھ حسرت و یاس اور درندگی و بیدردی پر مشتمل خواب کیوں دیکھتا ہے؟

شکریہ، ممتاز علی (جیکب آباد)

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

عام حالات میں نگاہ ذہن کی سطح پر جو شبیہیں بناتی ہے اور جن چیزوں کی یہ شبیہیں ہوتی ہیں، ان چیزوں کے اندر گہرائی کا ہونا بہت ضروری ہے، چاہے وہ مثبت مقداریں ہوں یا منفی مقداریں۔

خواب میں جتنی شبیہیں ہمارے ذہن کی سطح پر بنتی ہیں وہاں گہرائی کی مقداریں منفی ہوتی ہیں۔ ان مقداروں کے زیر اثر خواب دیکھنے والا تو ان شبیہوں یا شکلوں کو جو اس کی ذہنی سطح پر بنتی ہیں دیکھ سکتا ہے لیکن دوسرے خواتین و حضرات جو اردگرد موجود ہوں، دیکھنے سے قاصر رہتے ہیں کیوں کہ وہ بیداری کی حالت میں ہیں اور بیداری میں مثبت مقداریں ہونا ضروری ہیں، چاہے وہ کم سے کم ہوں۔ البتہ دونوں صورتوں میں خواہ مقداریں منفی ہوں یا مثبت، پس منظر میں کچھ نہ کچھ چیزیں ضرور ہوتی ہیں اور ان چیزوں کی نشریات ہمارے ذہن پر شبیہیں بناتی ہیں۔

قابل ذکر ہے کہ مثبت مقداریں منفی میں اور منفی مقداریں مثبت میں ردّوبدل ہوتی رہتی ہیں۔ منفی مقداروں کی

تعریف یہ ہے کہ وہ زمان ومکان کی ان حدود سے جو ہماری معین کردہ ہیں آزاد ہوتی ہیں۔

کائنات میں جو اصلِ اصول کارفرما ہے، اس کا قرآن کریم میں معاد کے نام سے تذکرہ کیا گیا ہے۔

معاد قدرت کی سنت ہے۔

مثال: ایک آدمی جو ہم سے دور پرے کسی دیوار کے پیچھے کھڑا بلند آواز سے باتیں کررہا ہے۔اس کی آواز ہمارے ذہن کی سطح پر باتیں کرنے والے کی شخصیت کی شبیہ بنا دیتی ہے۔اگر ہم اس شخصیت کا نام جانتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص باتیں کررہا ہے۔اور زیادہ واضح طریقے پر اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی کی آواز ریکارڈ کرلی جائے تو ہم اس ریکارڈ کے ذریعے ایک جگہ سے ہزاروں میل دور جا کر مہینوں اور سالوں گزرنے کے بعد بھی اس آواز کو سن سکتے ہیں۔یہ آواز ہمارے ذہن کی سطح پر اس شخصیت کی شبیہ بنا دیتی ہے۔اگر شخصیت کا نام معلوم ہے تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کی آواز ہے۔

کہنا یہ ہے کہ کسی شخصیت یا کسی چیز کو پہچاننے کا ذریعہ دراصل اس شخص یا شے کی شبیہ ہوتی ہے، خواہ منفی مقداروں میں ہو یا مثبت مقداروں میں۔اب یہ ثابت ہوگیا کہ منفی مقداریں بھی وہی طاقت رکھتی ہیں جو مثبت مقداریں رکھتی ہیں۔اور ساتھ ہی منفی مقداریں ــــ مثبت مقداروں کی طرح زمان ومکان کی پابند نہیں ہیں۔

لوحِ محفوظ کا قانون یہ ہے کہ ہر عمل کرنے والی شخصیت موجود ہے، رہتی ہے اور ابد تک موجود رہے گی۔اس کو ابدیت حاصل ہے اور کوئی شخص قدرت کے اس اصلِ اصول سے کبھی چھٹکارا نہیں پاسکتا۔

یہ امر واضح ہے کہ منفی مقداریں زمان ومکان کی گرفت سے بالکل آزاد ہوتی ہیں تاہم منفی اور مثبت میں یہ حقیقت مشترک ہے کہ دونوں کی بنائی ہوئی شبیہوں میں شخصیت موجود رہتی ہے۔

دعا گو، عظیمی (9 جون 1969ء)

جب انسان سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے تو فوری طور پر اسے کوئی خیال آتا ہے اور یہ خیال ہی بیداری اور نیند کے درمیان حدِّ فاصل ہے۔جب اس خیال میں گہرائی واقع ہوتی ہے تو پلک جھپکنے کا عمل شروع ہوجاتا ہے اور پلک جھپکنے کے ساتھ ہی دماغ کی اسکرین پر مناظر منتقل ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ (شرح لوح وقلم)

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ’’ماہنامہ قلندر شعور‘‘ کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطہ کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعہ موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔

★ اکتوبر 2019ء کے شمارے کا مرکزی خیال ’’باادب بانصیب بے ادب نصیب‘‘ کا متفرق زبانوں میں ترجمہ شائع ہوا۔ خواتین وحضرات کی بڑی تعداد نے اظہار خیال کیا۔ منتخب آراء پیش خدمت ہیں۔

عمران علی۔ سفیر: ادب سے عزت وتوقیر عطا ہوتی ہے، بے ادبی بدنصیبی کے در کھولتی ہے۔

ڈاکٹر طارق، ڈینٹل سرجن (کوئٹہ): اعمال واخلاق کا خلاصہ اور روحانیت کا قرینہ ادب ہے۔

قاسم منہاس۔ ایم اے صوفی ازم (اسلام آباد): محبوب کی خوشنودی، بندے کو باادب بنا دیتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر نعیم ظفر (متحدہ عرب امارات): برضا ورغبت مرشد کا ادب، مرید کو معرفت تک لے جاتا ہے۔

اسلم ندیم نازؔ۔ شاعر (پشاور): ادب آدمی کو انسان اور انسان کو ’’خلیفۃ الارض‘‘ بنا دیتا ہے۔

پروفیسر یاسر ذیشان (سیالکوٹ): ادب حیات اور بے ادبی موت ہے۔

اقراء فاروق: پہلے خیال پر عمل اور قواعد وضوابط کی پابندی ادب ہے۔

حامد ابراہیم۔ مصور، خطاط (پھالیہ): ادب = خیر کا میکانزم، بے ادبی = شر کا میکانزم

رشیدہ جیلانی۔ خاتون خانہ (کینیڈا): اطاعت کامیابی اور نافرمانی خسارہ ہے۔

ڈاکٹر ساجد غوث (واہ کینٹ): تسلیم ورضا اور تعمیل کامیابی ہے۔

محمد اویس الحسن۔ ڈپٹی رجسٹرار ہائی کورٹ (اسلام آباد): کائنات کی بنیاد اللہ کی چاہت ہے۔ ادب چاہت کا پہلا زینہ ہے۔

شہزاد احمد (لاہور): باادب پالیتا ہے، بے ادب کھو دیتا ہے۔

محمد آصف (متحدہ عرب امارات): ادب تعمیل ہے اور تعمیل خوش نصیبی ہے۔

ثنا۔ طالبہ پی ایچ ڈی (فیصل آباد): سالک جب اپنی نفی کرتا ہے تو ادب کی علمی تصویر بن جاتا ہے۔

سلمان سلطان۔ انجینیئر (کینیڈا): ادب نظم وضبط میں رہنے کا نام ہے۔

سید اسد علی ۔ ایم بی اے (کراچی): ادب علم و عمل، بے ادبی بے عملی و جہل ۔ ادب الہام و عرفان، بے ادبی تکبر و شیطان ۔

ڈاکٹر فواد بشیر (اسلام آباد): ادب اپنی نفی ہے، نفی عاجزی ہے، عاجزی علم کا حصول اور علم کا حصول خوش نصیبی ہے ۔

★ —— ★ —— ★

ستمبر 2019ء کے ''آج کی بات'' پر خواتین و حضرات نے تفکر کیا ۔ منتخب خطوط پڑھیے ۔

فضیلہ منیر (برطانیہ): ایک طرف ہر تخلیق کی انفرادی رفتار ہے اور دوسری طرف سب اجتماعی طور پر ایک دوسرے سے منسلک ہیں ۔ ہر مخلوق ایک وقت میں دو طرح کی رفتار کی حامل ہے ۔ ایک رفتار انفرادیت قائم رکھتی ہے اور دوسری رفتار سے کائنات میں اجتماعیت برقرار ہے ۔ کائناتی رفتار سب کو حاصل ہے مگر فرد کی انفرادیت غالب ہونے کی وجہ سے مغلوب ہے ۔

محمد سمیع (کراچی): اللہ تعالیٰ نے ہر شے معین مقداروں پر تخلیق کی ہے ۔ حرکت اور نقش و نگار کی بھی مقداریں ہیں ۔ معین مقداریں ایک طرف انفرادی حیثیت برقرار رکھتی ہیں اور دوسری طرف اجتماعیت قائم رکھتی ہیں — انفرادیت میں گریز اور اجتماعیت میں کشش ہے ۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ معین مقداروں کی وضاحت ہے ۔ افسوس کہ ہم قرآن کریم کو تحقیق و تلاش کے زاویے سے نہیں پڑھتے ۔

صائم حسین (امریکا): لکھا ہے کہ رفتار توانائی میں دباؤ کی مقدار ہے ۔ دباؤ کیا ہے —؟ چند ماہ پہلے اداریہ میں ہی آپ نے دباؤ کو مثبت و منفی چارج سے سمجھایا تھا ۔ جب شے پر دباؤ پڑتا ہے تو وہ کس چیز کا دباؤ ہے؟ اگر روشنی کا دباؤ ہے تو روشنی خود ایک وجود ہے، اس روشنی میں دباؤ کیا الگ سے وجود ہے؟

شاہینہ میمن (کراچی): ''آج کی بات'' رفتار پر ہے ۔ میں یہ سمجھی ہوں کہ یہ ذہن کی رفتار کی طرف اشارہ ہے اور ذہن وہ صلاحیت ہے جو شے کی پرتوں کو کھول کر بنیاد تک پہنچتی ہے ۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ انفرادی رفتار الوژن ہے کیوں کہ یہ سب میں الگ الگ ہے ۔ اجتماعی رفتار میں سب ایک ہیں ۔

محمد ساجد (ملتان): عظیمی صاحب کی تحریر کی ہر سطر میں وضاحت ہے کہ کائنات کا نظام فارمولوں پر قائم ہے ۔ آپ دیکھیں ایک جگہ لکھا ہے کہ ''مٹھاس پیدا کرنے کے لئے چاند کی کرنیں فلکی رفتار کے مطابق پھلوں کو مہیا ہوں تو پھل توانائی کی تاب نہ لاتے ہوئے پھٹ جائیں گے کیوں کہ توانائی شے کی ساخت اور رفتار کے مطابق فراہم ہوتی ہے ۔'' یعنی چاند میں ہر تخلیق کی ایکویشن موجود ہے اور اسی کے مطابق ذرّے سے لے کر سمندر تک سب کو چاند سے ملنے والی کرنوں کی مقدار مختلف ہے ۔ ممکن ہے کہ عام ذہن اس تحریر کی اہمیت کو نہ سمجھے لیکن جب اولی الالباب اسے پڑھے گا یا پڑھے گی تو وہ نظر انداز نہیں کر سکتے ۔

ذاکر علی (روس): رفتار کا خول یا لباس سے گہرا تعلق ہے۔ آم کا چھلکا تربوز کے گودے کا وزن نہیں اٹھا سکتا۔ تربوز کے گودے کے وزن کی وجہ سے اس کا چھلکا سخت ہوتا ہے اور وزن کا سبب اس میں پانی کی مقدار زیادہ ہونا ہے۔ آخر رفتار کس کو کہتے ہیں؟ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن ذہن سن ہو جاتا ہے۔

منیبہ محمود (راولپنڈی): سورہ رعد کی ابتدائی چار آیات میں کائناتی ایکویشن کی جو تفہیم آپ نے لکھی ہے وہ بظاہر چند سطریں ہیں لیکن ہر سطر اپنی حد میں ایک کائنات ہے۔ گزارش ہے کہ رسالے میں اسی طرح قرآنی آیات کی روحانی فارمولوں کے مطابق تفہیم کا سلسلہ شروع کیجئے۔ قارئین کرام بہت شوق سے پڑھیں گے۔

عمران احمد (متحدہ عرب امارات): آپ نے لکھا ہے کہ مقداروں کی حدود طے ہونے سے کشش اور گریز کا عمل شروع ہوتا ہے۔ میں یہ سمجھا ہوں کہ کائنات میں الوژن گریز کی وجہ سے قائم ہے اور گریز کو کشش نے برقرار رکھا ہے۔ اسی طرح جب چاند کی کرنیں زمین پر ہر شے میں موجود ہیں تو چاند پر بھی زمینی تخلیقات کا ریکارڈ ہوگا۔ جناب عظیمی صاحب! اتنا بھرپور تخلیقی نظام سمجھنے کے لئے یہ عمر نا کافی ہے۔ میں بڑھاپے میں قدم رکھ چکا ہوں۔ کیا غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے یہاں سے جانے کے بعد بھی دوسرے عالمین میں علم کا سلسلہ جاری رہتا ہے؟ کیوں کہ ستّر اسّی سال کے دورانیے میں کوئی اس کائنات کو کیسے سمجھے گا ــــ؟

شاہ بانو ادریس (پشاور): ایک ہی چیز کم یا زیادہ ہونے سے تغیر کا نظام قائم ہے۔ ہم اس ایک شے کے بجائے کمی یا بیشی کو دیکھ رہے ہیں اس لئے ذہن ایک مرکز پر نہیں رکتا۔

محمد انور (حیدر آباد): سورج اور چاند میں کشش اور گریز کی ایکویشن کو بیان کر کے آپ نے میرے جیسے سائنس کے طالب علموں کی بہت مدد کی ہے۔ اگر اس طرح سے ہمیں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھایا جاتا تو آج ہم دنیا کی ترقی یافتہ قوم ہوتے۔ افسوس کہ ہم نے علم اور علم والوں کی قدر نہیں کی۔ تجویز ہے کہ ایک virtual university قائم کیجئے جس کا نصاب ''آج کی بات'' پر مشتمل ہو۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ صرف ایک مضمون سے ہی کئی شعبے بن جائیں گے۔ آپ نے ایک ہی مضمون میں فلکیات بھی پڑھا دی اور ارضیات بھی۔ اس میں حیاتیات ہے، طبیعیات ہے، نفسیات ہے اور پیراسائیکالوجی بھی ہے۔ اس میں لہروں کا نظام بھی ہے۔ زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں ورنہ فہرست بنا کر ضرور بھیجتا کہ آپ نے صرف ستمبر 2019ء کے ''آج کی بات'' میں علم کی مختلف شاخوں کو کس طرح بیان کیا ہے۔ پہلی دفعہ لکھ رہا ہوں، رسالے میں اپنا خط پڑھ کر خوشی ہوگی۔

★ —— ★ —— ★

مضامین پر موصول ہونے والے تبصرے اور تفکر میں سے منتخب خطوط یہ ہیں۔

فاطمہ علی (لاہور): ادارے کے نام سے جو مضامین آپ شائع کرتے ہیں وہ کون صاحبہ یا صاحب ہیں؟

محمد وہاج (بہاولپور): ستمبر 2019ء کا سرورق پُرمغز ہے۔ لہر کس طرح رنگوں میں تقسیم ہوتی ہے، اس میں خمیر کا کیا کردار ہے اور خمیر مظاہرہ کر کے کہاں چلا جاتا ہے۔ یہی تصویر ڈاکٹر نعیم ظفر صاحب کے مضمون میں بھی شائع ہوئی ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ آئندہ اقساط میں اسے کس طرح بیان کریں گے۔

صدیق عمیر (کراچی): ''اب ج د'' بہت اچھا مضمون ہے۔ ہم سوچتے نہیں کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ ہم اسکول میں سب سے پہلے تکون (مثلث) کا سبق سیکھتے ہیں اور تکرار کر کے ذہن پر نقش کر دیتے ہیں۔

بی بی اسماء (فیصل آباد): ''مرشد کی باتیں'' ایک بار پھر روک دیا گیا ہے۔ کیا اسے جاری نہیں رکھا جا سکتا؟

طارق محمود (لاہور): ''آج کی بات'' میں جوڑے دہرے کا ذکر ہے۔ ہر شے کا ایک رخ غالب اور دوسرا مغلوب ہے اس لحاظ سے ہر چیز جوڑا ہے۔ عورت میں مرد رخ مغلوب ہے اور مرد میں عورت رخ مغلوب ہے۔ عورت اور مرد مل کر بھی ایک جوڑا ہے۔ ڈاکٹر نعیم ظفر صاحب کے مضمون میں دی گئی تصویر جو سرورق پر بھی موجود ہے، دیکھ کر قرآن کریم کی آیت ذہن میں آئی کہ ''وہ دن جب آسمان کو ہم یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے ہمارے ذمے۔ اور یہ کام ہمیں بہرحال کرنا ہے۔'' (الانبیاء: ۱۰۴)

شائزہ حمید (میرپور): کہانی ''گھر آیا تو ــــ؟'' بہت پسند آئی۔ کیسا بے وفا مرد تھا جس نے بیوی کو لاوارث چھوڑ کر دوسری شادی کی اور پھر دوسری بیوی کو چھوڑ کر پہلی کے پاس آیا۔ کہانی جاپان کی ہے مگر ہر معاشرے میں رشتوں کی بے قدری ایک جیسی ہے۔

احمد محی الدین (میانوالی): کہانی ''لوہا اور پیاز'' پڑھی۔ اس میں سوال پر غور و فکر کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں قرآن کریم ترجمے کے ساتھ پڑھنا چاہئے، اسے سمجھنا چاہئے اور دوسروں کے لئے آسانی پیدا کرنی چاہئے۔ بزرگوں کے ساتھ گستاخی نہیں کرنی چاہئے اور دنیاوی دولت کا لالچ نہیں ہونا چاہئے۔

آمنہ خاتون (لاہور): بلاشبہ مضامین کا معیار بڑھ گیا ہے۔ ''مرشد کی باتیں'' کی کمی محسوس ہوئی۔ عابد محمود صاحب کی تحریر نے جھنجھوڑ دیا۔ ماں ہمیشہ بچوں کی صحت کی دعا کرتی ہے اور ایک اولاد ہے کہ ماں باپ کی مشکل آسان ہونے کے لئے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتی ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ بچے شادی کے بعد کیوں بدل جاتے ہیں ــــ؟ ماں باپ کا دل کیوں نہیں بدلتا ــــ؟ میں چاہتی ہوں کہ اس سوال کا جواب قارئین دیں۔

عرفانہ شہزاد

دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبیؐ

پروانے جوق در جوق بے تاب و بے قرار آرہے ہیں۔ آرہے ہیں، قربان ہو رہے ہیں اور قربان ہو کر واپس جا رہے ہیں لیکن جانے والا وہ نہیں جو یہاں آیا تھا۔ اگر وہی ہے تو پھر وہ یہاں آیا ہی نہیں!

11 ربیع الاوّل کی رات مسجد نبویؐ کے صحن میں چلتے ہوئے سرگوشی سنائی دی۔۔۔ "اے میری دوست!"

میں چونک گئی کہ آس پاس بظاہر کوئی نہیں ہے پھر یہ سرگوشی کیسی؟ کس نے مجھے پکارا ہے؟

سامنے روشن چاند مسکرا رہا تھا۔

میں نے پوچھا، اے میرے بوڑھے دوست! تم ہزاروں سال پرانے ہوتے ہوئے بھی اتنے خوش باش، جوان اور حسین کیسے ہو۔۔۔؟

چاند بولا، تمہیں میرے حسن پر رشک ہے یا حسد؟

میں نے کہا، تم جانتے ہو اللہ کے فضل سے حسد میرے مزاج کا حصہ نہیں اور پھر دوست حسین ہو تو بندے کو اپنا آپ بھی اچھا لگتا ہے۔

چاند نے کہا، اچھا بتاؤ تم کیسی ہو؟

میں نے کہا، پاؤں میں چھالے پڑے اور پھٹ گئے۔ جسم بے حال اور توازن بگڑ گیا ہے، خود کو گھسیٹ گھسیٹ کر چل رہی ہوں لیکن مسرور ہوں۔ جانتے ہو کہ حال جب بے حال ہو تو وصل کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اے دوست! کیا وہ مجھ سے کلام کریں گے؟

چاند پر بادل آکر گزر گئے جیسے اس نے چند لمحوں کے لئے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے آنکھیں موندلی ہوں۔ لگتا تھا کہ میری طرح وہ بھی فراق میں جل رہا ہے۔

میں نے کہا، تم روز یہاں آتے ہو، دعا کرو وہ مجھ سے ہم کلام ہوں، میں لمحہ لمحہ منتظر ہوں۔

میری دوست! میں روز یہاں نہیں آتا، میں تو یہاں سے جاتا ہی نہیں ہوں۔ پیاسا کنوئیں کو چھوڑ کر کہاں جائے گا؟ دن موت اور رات حیات میں گزرتی ہے۔

یہ کہہ کر چاند نے بادل اوڑھ لیا۔

اسے بدلی میں چھپتا دیکھ کر میں بڑبڑائی، تم اچھے دوست ہو میں نے خواہش بیان کی اور تم چل دیئے؟

دل نے کہا، تم ان راہوں پر آج چل رہی ہو جب کہ چاند صدیوں سے اس راہ کا مسافر ہے اور جانتا ہے کہ وصل صرف دعاؤں سے نہیں، خود سے گزر کر ملتا ہے۔

بھیگی ہوئی رات تھی۔ شاید دن بھر فراق میں جلنے

کے بعد رات جب رات سے ملی تو شبنم نے اس کی تسکین کی تا کہ فراق سے گزرنے کی سکت پیدا ہو۔

ایک بج رہا تھا۔صحنِ نبویؐ میں پروانے* موجود تھے۔ حسن و نور کی انتہا میں یہ منظر خواب درخواب محسوس ہوا۔ واپسی کے لئے مڑی۔ ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے بے تابی سے بار بار چاروں طرف دیکھتے ہوئے خود سے پوچھ رہی تھی کہ کہاں ہیں رسول اللہؐ — ؟

چاند نے چہرے سے بادل ہٹایا اور مسکراتا ہوا بولا، تمہارے دل میں ! میں نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ چاند سے کہا، ہاں ! میرے دل میں ہیں اور دل خبر سے نظر بننے کا منتظر ہے۔شاید تمہیں میری دھڑکنیں سنائی دے رہی ہوں۔ دیکھو دوست اب مجھے آواز نہیں دینا۔ورنہ ان قدموں کے لئے آگے بڑھنا مشکل ہو جائے گا۔انشاءاللہ کل ملاقات ہوگی، اللہ حافظ۔

12 ربیع الاوّل کی رات وہ بہت حسین پوشاک میں ظاہر ہوا۔مسجد نبویؐ کے چھوٹے مینار سے نیچے ہم نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ پھر وہ مستانہ وار لیکن باادب مدحتِ رسولؐ میں گم ہو گیا،

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبیؐ
سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ
اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبیؐ
دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبیؐ

میں نے آواز سے آواز ملائی۔

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبیؐ
جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبیؐ

ہم دونوں خود سے بے خبر مدینے والےؐ کے قرب کے متمنی تھے اور وجد میں پڑھ رہے تھے،

غم زدوں کو رضا مژدہ دیجئے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا ہمارا نبیؐ
سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبیؐ
سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ

رخسار پر موتی لرز رہے تھے۔ مجھے بے قرار دیکھ کر چاند نے انجان بنتے ہوئے پوچھا، کیا ہوا؟

میں نے بھی پردہ رکھا اور کہا، کچھ نہیں بس کوئی یاد آ گیا۔ پیارے چاند تمہیں پتہ ہے یہاں آنے سے پہلے جب میں نے بیت اللہ شریف کی زیارت کی تو ایک وقت ایسا آیا کہ وہاں تجلی و نور کا ہالہ محسوس ہوا۔ دل نے کہا کہ یہ ہو بہو میرے دوست جیسا ہے۔ نورانی فضا میں سکون اور حسن و جمال نے مجھے بے خود کر دیا۔آنکھیں ٹھہر گئیں۔دیکھتے ہی دیکھتے جسم و جان سب اس میں جذب ہو گیا — کچھ باقی نہ بچا۔پھر کسی آواز نے جگایا اور دوری حائل ہو گئی۔

چاند نے سرگوشی کی، ایسا دوست کون ہے جس کا

---

* پروانے (نورانی مخلوق)

حسن بیت اللہ جیسا ہے ؟
میں نے کہا، ہر بات کا جواب ضروری نہیں ہوتا۔ بس کسی نے آواز دی، ہوش آیا تو لوگ مجھ سے ٹکراتے ہوئے گزر رہے، میں گرتے گرتے سنبھلی کسی نے مجھے تھام لیا تھا۔

میں نے آہستہ آواز میں چاند سے کہا،
''ان مقدس مقامات میں عشق و معرفت کا خزانہ مخفی ہے جس کی لو دنیا کے کونے کونے میں پھیل رہی ہے اور پروانے جوق در جوق بے تاب و بے قرار آرہے ہیں۔ آرہے ہیں، قربان ہورہے ہیں اور قربان ہوکر واپس جارہے ہیں لیکن جانے والا وہ نہیں جو یہاں آیا تھا۔ اگر وہی ہے تو پھر وہ یہاں آیا ہی نہیں!''
چاند بے ساختہ بول اٹھا، واہ سبحان اللہ! تم نے رموزِ عشق بیان کردیا۔ دل کو دل کی راہ دکھادی۔
حسین دوست! صرف پڑھنے لکھنے سے بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بات لفظوں کے اندر اترنے سے، اندر میں روشنی کے وقوف سے دکھائی دیتی ہے۔ جو آگ سے گزرا نہیں، وہ کیا بتائے گا کہ تپش کیا ہے۔ جو پیاس کی شدت سے نہیں گزرا، اسے کیا علم کہ سیرابی کیا ہے!
چاند نے گہرا سانس لیا۔ ایک بار پھر آنکھیں موند لیں اور آہ بھرتے ہوئے بولا، اللہ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے دنیا میں ضوفشانی تقسیم کرنے اور ٹھنڈی لہریں پہنچانے کی ذمہ داری دی۔ میں جس کے گھر کا چاند ہوں، اس کے محبوبؐ کے در پر رہتا ہوں۔
اس رمز پر میں مسکرائی اور کہا، بے شک سب پر اللہ کا کرم ہے۔ مجھ ناچیز کو یہاں آنے کی توفیق دی اور وسائل کا انتظام فرمایا۔
ہمارے قریب سے کوئی گزرا۔ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ جانتے ہو وہ ساری کتابیں زندہ ہوگئیں جو ہم پڑھتے تھے کہ اللہ کا گھر ایسا ہے اور حضورؐ کا گھر ایسا ہے۔ یہاں آکر گھر کو دیکھنے کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور وہ سارے جذبات محسوس ہوتے ہیں جن کا ذکر کتابوں میں ہے اور یہاں سے آنے والے لوگ ہمیں بتاتے ہیں۔ شکر ہے رب کا کہ اس نے ہمیں یہاں بلاکر مقدس مقامات کی زیارت کروائی ورنہ سب کتابوں میں رہ جاتا۔
تم ٹھیک کہتے ہو بھائی۔ دوسرا بولا۔ اور اللہ رسولؐ نے ہمیں یہاں بلاکر ایسے ایسے کھانے کھلا دیئے جو ساری حیاتی ہم نے نہ سنے نہ کھائے۔
سادہ لوح دیہاتیوں کی گفتگو سن کر چاند نے ادھ کھلی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ میں مسکرادی۔ وہ باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے اور میں آہستہ آہستہ پاؤں گھسیٹتے ہوئے چلتی رہی۔
چاند بولا، بلانے والا ہر طرح کے لوگوں کو بلاتا ہے۔ میں خاموشی سے دیکھتا رہتا ہوں۔ کچھ لوگ یہاں برہنہ پا سر کے بل چلتے ہوئے آتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے جوتے کی قیمت سر سے زیادہ لگا رکھی ہے۔ فکر ہوتی

ہے کہ جوتے کھو نہ جائیں۔ جانتی ہو ایسے میں مجھے وہ بات یاد آتی ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ آگ کی تلاش میں نکلے تو اللہ نے ان سے فرمایا، ''اے موسیٰؑ ! جوتے اتار دے، تو وادی مقدس طویٰ میں ہے''۔

12 ربیع الاوّل کی رات ڈھل رہی تھی۔ مسجد نبویؐ کی خمار طاری کرنے والی فضا ایسی جیسے نور کی چادر پھیلی ہوئی ہو۔ اللہ کے محبوبؐ کے در پر ملائکہ حاضر باش رہتے ہیں اور درود و سلام بھیجتے ہیں کہ اللہ نے ملائکہ اور مومنوں پر لازم فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے محبوبؐ پر درود و سلام بھیجیں۔ مگر آج 12 ربیع الاوّل کی رات کی بات اور تھی ــــ لگتا تھا کہ زمین و آسمان میں چراغاں اور درود و سلام کے ترانے ہیں۔

نوری محفل پہ چادر تنی نور کی
نور پھیلا ہوا آج کی رات ہے
چاندنی میں ہیں ڈوبے ہوئے دو جہاں
کون جلوہ نما آج کی رات ہے
ابرِ رحمت ہیں محفل پہ چھائے ہوئے
آسماں سے ملائک ہیں آئے ہوئے
خود محمدؐ ہیں تشریف لائے ہوئے
کس قدر جاں فزا آج کی رات ہے
اس طرف نور ہے اس طرف نور ہے
سارا عالم مسرت سے معمور ہے
جس کو دیکھو وہی آج مسرور ہے
مہک اٹھی فضا آج کی رات ہے

میرے اوپر درود و سلام سایہ فگن تھے۔ چاند اپنے دائرے میں تھا اور اللہ کی حمد اور اس کے محبوبؐ کی محبت میں نثار والہانہ گردش کر رہا تھا۔

اگلے روز مسجد نبویؐ میں حاضر نہ ہو سکی جس کا سخت افسوس رہا۔ حالات ایسے بنے جیسے مدینے میں رہتے ہوئے مدینے والے کی مسجد سے دور رکھ کر وصل کی تڑپ کو بڑھایا جا رہا ہو۔

بے شک روح کے لئے زمانی و مکانی فاصلے معنی نہیں رکھتے مگر میری روح ابھی تک جسم کی قید میں تھی اور جسم زمانی و مکانی فاصلوں کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ میں دور رہ کر بھی مست و بے خود رہی۔

اگلے روز مدینہ منورہ کی ٹھنڈی اور پُر فضا رات ایک بجے جب میں درود و سلام پڑھ کر ہوٹل جانے کے لئے روانہ ہوئی کہ چاند کی آواز آئی،

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبیؐ
سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ
اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبیؐ
دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبیؐ

میں نے کہا، دوست ! آج تم دیر سے آئے ہو۔

میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔ کل ملاقات ہو گی۔

اس نے کہا، میں یہیں تھا۔ گنبدِ خضرا کے سائے تلے میری چاندنی معدوم ہو جاتی ہے۔ جس کے نور سے چاند پُر نور رہے، وہاں کیا تذکرہ؟

میں نے پوچھا، تمہیں کیا بے قرار رکھتا ہے؟

اس نے کہا، دائرے میں آجاؤ، جواب مل جائے گا۔ صدیوں لمبی عمر رکھنے والا یہ بوڑھا چاند گہرا بھی بہت تھا۔ اور پھر وہ بدلی میں چھپ گیا۔

اگلی ملاقات میں اسے دیکھتے ہی بول پڑی، اے رات کو آنے والے دوست! تم جانتے ہو جب میں یہاں آتی ہوں تو ہوٹل میں بہت کم ٹھہرتی ہوں، مکہ میں وقت حرم پاک تو مدینے میں مسجد نبویؐ میں گزرتا ہے۔ ہر لمحہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ مجھے بلا رہے ہیں، کبھی اپنے در پر تو کبھی اپنے محبوبؐ کے در پر۔ محبوبؐ کا در بھی تو محبّ کا در ہے۔ اور محبوبؐ اپنے محبّ پر نثار ہے۔ یہ ایسا دائرہ ہے کہ جو ایک بار اس میں داخل ہو جائے، گم ہو جاتا ہے۔

چاند نے مجھے گہری نظر سے دیکھا اور بولا، آج بہت چہک رہی ہو لگتا ہے شیطان کو مات دے کر آئی ہو۔

میں ہنس دی اور کہا، ہاں بھئی کسی نے کہا ہے،

پل بنا کے سو مت جانا
دریا آخر دریا ہے

تم نے کہا تھا کہ دائرے میں آجاؤ۔ مجھے دنیا کے تکون سے نکل کر کائنات کے دائرے میں داخل ہونا ہے اور اس میں واحد رکاوٹ میں خود ہوں۔ جو شے اللہ سے واقف ہونے میں رکاوٹ بن جائے، وہی شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری نشانیوں پر غور کرو۔

بہت خوب! کیا تم وہی ہو جو یہاں آئی تھی؟

اللہ جانتا ہے کہ میں کون ہوں۔ بس مسجد نبویؐ کی ٹھنڈی چھاؤں میں، میں نے سیکھا کہ دائرے میں داخل ہونے کا ذریعہ عشق ہے اور عشق کا مرکز دنیا نہیں، محبوب ہے۔

جمعے کی شام نماز کے بعد روضۂ رسولؐ سے رخصت ہوتے ہوئے الوداعی سلام کے وقت نظر اٹھ نہیں سکی۔ میں نے توجہ دل کی گہرائی میں مرکوز کر کے ایک بہت ضروری بات کی اور کانپتے ہونٹوں کے ساتھ باب السلام کو بوسہ دیتے ہوئے واپس لوٹ رہی تھی کہ مجھے پیغام مل گیا۔ روح شاد اور جسم آباد ہو گیا۔ محبت نے محبت کا سلام بھیجا تھا اور آنکھیں پانی بن گئی تھیں۔

میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور درود و سلام پڑھتے ہوئے روانہ ہوئی۔

دور احد کی چوٹیوں کو بادل چوم رہے تھے۔ مجھے لگا میں بس میں نہیں بیٹھی بلکہ ان بادلوں کا حصہ ہوں اور منزل کی طرف رواں دواں ہوں۔ سامنے چاند آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ میں نے کہا، اے چاند! تمہاری طرح میں بھی بے قرار تھی اور ہوں مگر اب لگتا ہے ساری زمین بیت اللہ ہے اور میں اس کا طواف کر رہی ہوں۔ اے چاند! درود و سلام پڑھو کہ اللہ کے محبوبؐ کا دیدار ہوا اور وہ ہمیں دل کے اس مقام سے متعارف کرا دیں جہاں اللہ بستا ہے۔

خالد محمود خالدؔ نقشبندی

زندگی ۔۔۔ بندگی

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا، نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمہارا کرم ہے آقاؐ کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے
تجلّیوں کے کفیل تم ہو، مرادِ قلبِ خلیلؑ تم ہو
خدا کی روشن دلیل تم ہو، یہ سب تمہاری ہی روشنی ہے
تمہیں ہو روح روانِ ہستی سکوں نظر کا دلوں کی مستی
ہے دو جہاں کی بہار تم سے تمہیں سے پھولوں میں تازگی ہے
شعور و فکر و نظر کے دعوے حد تعین سے بڑھ نہ پائے
نہ چھوسکے ان بلندیوں کو جہاں مقامِ محمدیؐ ہے
عمل کی میرے اساس کیا ہے، بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت بس ان کی نسبت، مرا تو بس آسرا یہی ہے
عطا کیا مجھ کو دردِ الفت، کہاں تھی یہ پرُخطا کی قسمت
میں اس کرم کے کہاں تھا قابل، حضورؐ کی بندہ پروری ہے
بشیر کہیے نذیر کہیے انہیں سراجِ منیر کہیے
جو سر بسر ہے کلام ربی وہ میرے آقاؐ کی زندگی ہے
ہم اپنے اعمال جانتے ہیں ہم اپنی نسبت سے کچھ نہیں ہیں
تمہارے در کی عظیم نسبت متاع عظمت بنی ہوئی ہے
یہی ہے خالدؔ اساس رحمت، یہی ہے خالدؔ بنائے رحمت
نبیؐ کا عرفان زندگی ہے، نبیؐ کا عرفان بندگی ہے

''ماہنامہ قلندر شعور'' میں شائع ہونے والا مقبول و معروف سلسلہ
''مرشد کی باتیں'' کتابی صورت میں دستیاب ہے۔

مسائل کا حل

’’ماہنامہ قلندر شعور‘‘ میں ’’خواب کی تعبیر‘‘ کے مقبول سلسلے کے علاوہ پیراسائیکالوجی طریقِ علاج کے تحت مسائل کے حل کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ کسی مسئلے کا حل دریافت کرنا چاہیں تو ادارے کو خط لکھ سکتے ہیں۔ خط کے ساتھ ٹوکن منسلک ہونا ضروری ہے۔

خلاصہ: خیال میں وہ سب موجود ہے جو کائنات میں ہے۔ کائنات کی ابتدا ارادے سے ہوئی اور ارادہ کائنات میں خیال کی ابتدا ہے۔ آدمی ایجادات کے لئے پہلے سے موجود ’’وسائل‘‘ سے مدد لیتا ہے۔ وسائل کو محض مادی اشیا سے منسوب کیا جاتا ہے جب کہ کسی بھی کام کو انجام دینے کے لئے بنیادی وسیلہ خیال ہے۔ سننا دیکھنا، سمجھنا بولنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، لکھنا پڑھنا، غور کرنا ــــ خیال کے تحت ہے۔ خیال پر عمل کو فرد جب اپنے ارادے سے منسوب کرتا ہے تو مسائل شروع ہوتے ہیں۔ مسائل کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ذہن رک گیا ہے۔
زندگی کے تین دائرے ہیں: ۱۔ فزکس (طبیعیات) ۲۔ سائیکالوجی (نفسیات) ۳۔ پیراسائیکالوجی (مابعدالنفسیات)
فزکس ــــ وسائل کی دنیا ہے۔ فرد وسائل استعمال کرتے ہوئے جن تجربات سے گزرتا ہے وہ سائیکالوجی ہے۔ وسائل اور ان کی طرف متوجہ ہونے کا خیال جہاں سے آرہا ہے وہ علم پیراسائیکالوجی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پیراسائیکالوجی (مابعدالنفسیات) کیا ہے؟ شے کی طرف متوجہ ہونے سے خصوصیات منتقل ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس فرد خیال کے سورس، خیال کی تحریکات اور خیال کے نظام پر متوجہ ہوجائے تو ذہن شکوک وشبہات اور ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ توجہ کی مدد سے فرد طبعیات میں رہتے ہوئے پیراسائیکالوجی کے زون میں داخل ہوتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں کون ہوں۔ یہ تلاش مشیت الٰہی سے متعارف کرتی ہے۔ اب پڑھئے کہ خیال میں بے خیال ہونے سے منفی یا مثبت کا مظاہرہ کیسے ہوتا ہے۔

مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاؒ نے مجھے واقعہ سنایا کہ سیدنا حضور پاکؐ کی خدمت میں ایک بڑا نجومی حاضر ہوا۔ پتہ چلا کہ حضور پاکؐ اس وقت پہاڑ پر ہیں۔ نجومی وہاں پہنچ گیا۔ تعارف کرایا اور کہا، اگر آپؐ کے پیر مبارک کے نیچے یہ پہاڑ موم ہوجائے اور پہاڑ کے اوپر پیر کا نقش آجائے تو میں ایمان لے آؤں گا۔ اللہ کے رسولؐ نے بسم اللہ پڑھ کر قدم اٹھایا اور پیر پہاڑ پر رکھ دیا۔ نجومی نے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر پہاڑ پر نظر

ڈالی۔ پہاڑ پر پیر کا نقش اس طرح موجود تھا جیسے نرم مٹی پر نقش بن جاتا ہے۔

تسخیر کا یہ عمل دیکھ کر نجومی ایمان لے آیا۔

لوگوں کے استفسار پر نجومی نے بتایا کہ آسمان پر ایک ستارہ ہے۔ وہ ستارہ جب کسی شخص کے سر پر براہ راست سایہ فگن ہوتا ہے تو اس کے اندر صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ سخت مٹی نرم ہو جائے۔ میرے حساب سے اس ستارے کو اس جگہ جہاں حضور پاکؐ کھڑے تھے، کئی ہزار سال بعد آنا تھا۔ جب میں نے رسول اللہؐ سے درخواست کی اور آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر قدم اٹھایا تو ستارے میں حرکت ہوئی اور حضور پاکؐ پر سایہ فگن ہو کر واپس چلا گیا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد و سلم

اس معجزے میں بنیادی طور پر دو علوم کی نشان دہی ہے۔ ایک علم دنیا کا ہے، وہ چاہے آسمان پر ستاروں سے متعلق کیوں نہ ہو، جب تک اصل سے متصل نہیں ہوتا — فکشن ہے۔ دوسرا علم — علمِ حقیقی ہے۔

حضرت محمدؐ نے قدم رکھا، ستارے نے ہزاروں سال کا سفر ناقابل پیمائش وقت میں طے کیا اور واپس پلٹ گیا۔ ہزاروں سال آنے کا سفر اور ہزاروں سال واپس جانے کا سفر — دونوں وقت اس میں شامل ہیں۔

طبیعیات اور نفسیات کی اساس — مابعد النفسیات

جسے خیال کا علم کہا جاتا ہے، اسپیس مغلوب کر کے فرد کو وقت میں سفر کرنا سکھاتا ہے۔ سیکھنے کی بنیادی شرط توجہ ہے۔ توجہ سے بندہ شے میں موجود تفصیلات پڑھ لیتا ہے — شے کے اندر اوصاف، اوصاف میں مخفی صلاحیتیں مخفی صلاحیتوں کے اندر مزید مخفی صلاحیتیں خود اپنا تعارف کراتی ہیں۔

اللہ نے ہر شے ایکویشن میں تخلیق کی ہے اور مخلوق کو آگاہ کیا ہے۔ چھوٹی بڑی ہر تخلیق روشنی کے غلاف میں بند ہے اور یہ غلاف تفکر سے کھلتا ہے۔ نظر غلاف کے اندر مرکوز کی جائے تو تین انکشافات ہوتے ہیں۔

۱۔ صلاحیت ۲۔ صلاحیت کا استعمال

۳۔ صلاحیت کا مظہر بننا

عمل کی بنیاد خیال ہے، خیال لاتناہیت سے آتا ہے۔ لاتناہیت کہاں ہے؟ ''ذہن'' میں ہے۔ تمام ایجادات میں اہم بات — خیال کا آنا، توجہ اور ارادے کا استعمال ہے اور ارادے کا دارومدار ذہن میں موجود تصویروں پر ہے۔

ہر لفظ کی صورت ہے۔ کہا جائے کہ فلاں کو بخار ہے تو مظاہرہ جسمانی درجۂ حرارت 100 سے زیادہ ہونے، نقاہت، زرد رنگ اور اعصابی کم زوری کے ذریعے محسوس ہوتا ہے جب کہ روحانی نظر دیکھتی ہے کہ بخار کی بھی شکل و صورت ہے جس کو صاحب شہود خواتین و حضرات دیکھتے ہیں۔ جسم میں حرارت کا درجہ بڑھتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ فلاں کو 102 یا 103 بخار ہے۔

102یا103 بخار کی شکلیں ہیں۔حرارت میں اضافے سے بخار کی شکل تبدیل ہوجاتی ہے۔

ایک شخص کسی سے الجھتا نہیں، اگر کوئی الجھے تو نظر انداز کردیتا ہے نتیجے میں اس کی صحت اچھی، اعصاب مضبوط اور کام کی رفتار زیادہ ہوتی ہے۔ جب کہ الجھنے والے شخص کی توجہ تقسیم ہونے سے اعصاب کمزور ہوتے ہیں، ذہنی پراگندگی اور تھکن ہوتی ہے، نتیجے میں کام کی رفتار کم ہوتی ہے اور وہ ذہنی مریض ہوجاتا ہے۔

مضمون پیراسائیکالوجی سے متعلق ہے لہٰذا پھر سمجھئے کہ فزکس، سائیکالوجی اور پیراسائیکالوجی کیا ہے۔

طبیعیات (فزکس): قدیم یونانی زبان کے لفظ فزیکوس Physicos سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی فطرت کے ہیں۔فطرت کے مطالعے کو سائنس نے فزکس کا نام دیا ہے۔جدید سائنس کے مطابق کائنات میں مادے اور توانائی کے باہمی تعلق اور ان سے پیدا ہونے والے اثرات کا مطالعہ طبیعیات (فزکس) ہے۔

نفسیات (Psychology): نفسیات میں ذہن سے بحث کی جاتی ہے یہ لفظ نفس سے مشتق ہے۔ نفس یا شعوری کیفیات مثلاً غصہ، غم، خوشی، ناخوشی وغیرہ کے مطالعے کے علم کو نفسیات کہتے ہیں۔اس میں ذہن، ذہنی کیفیات اور ان سے پیدا ہونے والے رویوں اور پس پردہ محرکات زیر بحث آتے ہیں۔

مابعدالنفسیات (Parapsychology):

علم مابعدالنفسیات احاطہ کرتا ہے کہ انسان کائنات کے تخلیقی فارمولوں سے کہاں تک مانوس ہے۔ یہ فارمولے اس کی دسترس میں ہیں یا نہیں اور ہیں تو کس

پیراسائیکالوجی
(Parapsychology)

ماہنامہ قلندر شعور نومبر 2019ء

اماں کا نام : .... سائل کا نام: ....

تاریخ اور وقت پیدائش : .... تعلیم: .... ازدواجی حیثیت: ....

جاگنے کا دورانیہ : .... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: ....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: .... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: ....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن : .... دستخط : ....

خط وکتابت کا پتہ : ....

.... رابطہ نمبر: ....

حد تک؟ ان کی افادیت کیا ہے؟

باطنی علوم کے ماہرین فرماتے ہیں کہ پیراسائیکالوجی سے مراد وہ علم ہے جو طبیعیات اور نفسیات کے مروجہ قوانین کی اصل ہے۔ اس علم میں کائنات کے تمام مرئی اور غیر مرئی مظاہر کی اصل کو تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثال سے سمجھیں۔

★ پانی اور پانی پینا فزکس ہے۔
★ پانی پینے سے تسکین ملنا سائیکالوجی ہے۔
★ پانی پینے کا خیال آنا اور اس کے لئے متعلقہ عوامل کا موجود ہونا پیراسائیکالوجی ہے۔

مختصر یہ کہ ساخت، ساخت میں مزاج، مزاج میں زندگی ـــــ دماغ، دماغ میں سوچنے کی طرزیں اور طرزوں میں حرکت ـــــ زندگی کے تین دائرے ہیں جن کو تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔

معاشرے میں افراتفری کی وجہ یہ ہے کہ فرد اپنی اصل سے دور ہو گیا ہے۔ سبب خود فرد کی نفسیات ہے اور نفسیات ماحول سے منسلک ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام تخلیق ہے، تخلیق کا محرک خیال ہے اور خیال کا خالق رحمٰن و رحیم اللہ احسن الخالقین ہے۔

خواتین و حضرات! ٹوکن شائع کیا جا رہا ہے۔ مسئلہ ایک ہو اور زیادہ سے زیادہ 12 سطروں (لائنوں) پر مشتمل ہو۔ خط کے ساتھ ٹوکن ضروری ہے۔

مظاہرے کا سورس کیا ہے ـــــ؟

علم مابعد النفسیات کے شعبے میں بتایا جاتا ہے کہ آدمی تین دائروں میں سفر کرتا ہے۔ پہلا دائرہ فزکس ہے یعنی عملی مظاہرہ۔ دوسرے دائرے میں بتایا گیا ہے کہ کوئی بات عمل پذیر ہونے سے پہلے کہاں سے آ رہی ہے؟ اور جہاں سے انفارمیشن آ رہی ہے اس کا سورس مابعد النفسیات ہے۔ مظاہرے کی اطلاع نفسیات ہے اور مظاہرے کا سورس مابعد النفسیات ہے۔

قانون: کھانے کا علم جنت اور دوزخ دونوں جگہ ہے۔ کھانے کے وسائل بھی موجود ہیں لیکن دونوں جگہ معنویت الگ الگ ہے۔ جنت کا کھانا اس لئے اچھا ہے کہ اس میں معنویت اچھی ہے۔ دوزخ کا کھانا اس لئے اچھا نہیں ہے کہ اس کے اندر پشیمانی، تکلیف اور آہ و بکا ہے۔ مختصر طور پر اس بات کو اس طرح کہا جائے گا کہ یہ ساری کائنات دراصل علم ہے اور علم کی طرزیں یہ ہیں کہ اس میں اچھے اور برے معانی پہنائے جاتے ہیں۔

بی بی آمنہؓ کے پھول

بادشاہ نے کہا، اگر میں نے خواب بتادیا تو پھر میں تمہاری تعبیر سے مطمئن نہیں ہوں گا۔خواب کی صحیح تعبیر وہی بتاسکتا ہے جو میرے بتانے سے پہلے خواب سے آگاہ ہو۔

رب العالمین نے اپنے محبوب بندے رحمۃ للعالمین حضرت محمدؐ کے لئے لامحدود، بے نظیر اور نورعلیٰ نور مزین کائنات بنائی۔پیغمبران کرام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو پیغام دیا کہ اللہ کے محبوبؐ دنیا میں تشریف لائیں گے۔خالق کائنات نے نورِ اول حضور پاکؐ کو جو علوم عطا کئے ہیں وہ کائنات پر محیط اور انسانیت کی معراج ہیں۔جب نوع آدم کی شعوری سکت اس نہج پر پہنچی کہ وہ انسانی معراج سے واقف ہوسکے تو اللہ پاک نے اپنے محبوبؐ کو دنیا میں ظاہر فرمایا۔ خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی بشارت الہامی کتابوں میں موجود ہے۔اس کے علاوہ تاریخ کے صفحات میں ایسے واقعات رقم ہیں جب عالمِ خواب یا کسی اور طریقے سے سلطنت کے بادشاہوں، علما اور دانش وروں کو آخری نبیؐ کے ظہور کی خبر دی گئی۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا،

''اللہ کے ہاں میرا نام اس وقت سے خاتم النبیین لکھا ہوا ہے جب آدمؑ ابھی بے روح جسم خاکی میں تھے۔میں تمہیں ابتدائے حال کی خبر دیتا ہوں کہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا ربنا وابعث ــــ کا مصداق ہوں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ نے میرے متعلق بشارت یوں دی،'اے بنی اسرائیل ! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی۔اور بشارت دینے والا ہوں اس رسولؐ کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔'

پھر میری والدہ محترمہ نے خواب دیکھا کہ نور چمکا جس سے انہیں ملک شام کے تمام محلات نظر آئے، میری آمد کی خبر دیتا ہے۔''

ولادت سے 560 سال پہلے:

کعب بن لوی بن غالب حضور پاکؐ کے جدامجد میں سے ہیں۔ان سے آپؐ کا سلسلہ نسب اس طرح ملتا ہے ــــ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن

عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر ......

کعب بن لوی اور حضور پاکؐ کی بعثت کے درمیان 560 سال کا وقفہ بتایا جاتا ہے۔ انہوں نے حضور پاکؐ کی عقیدت میں نعت بھی کہی ۔ جب کعب بن لوی جمعے کے دن مکہ کے لوگوں سے خطاب کرتے تھے تو ان سے حضورؐ کی بعثت کا ذکر کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ وہ عظیم الشان نبیؐ میری اولاد میں سے ہوں گے ۔ قریش کو آپؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کی اتباع کا حکم دیتے تھے۔ ان کے سامنے نبی اقدسؐ کی شان میں مختلف بیت پڑھتے ۔ ایک بیت یہ ہے،

یالیتنی شاھد فحواء دعوته

اذا قریش تبتغی الحق خذلانا

ترجمہ: کاش میں ان کے اعلان دعوت کے وقت حاضر ہوتا جب قریش ان کی اعانت سے دست کش ہوں گے۔

کعب بن لوی نے اہلِ تورات و انجیل سے رسول اکرمؐ کا ذکر سن رکھا تھا اس لئے اپنے خطبوں میں آپؐ کی صفات و محاسن بیان کرتے تھے ۔ ان کے کلام میں سے یہ بیت مشہور ہے،

علیٰ غفلة یاتی النبی محمدؐ

فخبر اخباراً صدرتاً خبیراً

ترجمہ: جب لوگ غفلت و جمود میں ہوں گے تو نبی محمدؐ تشریف لائیں گے جن کے صادق و خبیر ہونے کی خبر سابقہ کتابوں نے دی ہے۔

آلِ غالب کے لئے دعا: اوس اور خزرج دو بھائی تھے ۔ ان کے والد کا نام حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر تھا ۔ یہ لوگ یثرب اور اس کے مضافات میں آباد تھے۔ جب اوس بن حارثہ بستر مرگ پر تھے تو ان کے قبیلے کے افراد آئے اور کہا کہ مالک کے علاوہ تمہاری اولاد نہیں جب کہ تمہارے بھائی خزرج کے پانچ بیٹے ہیں ۔ اوس نے کہا کہ وہ خدا جو پتھر سے آگ پیدا کرتا ہے اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ مالک کی نسل کو روز افزوں ترقی دے ۔ اس کے بعد مالک کی طرف رخ کر کے منظوم وصیتیں کیں جن کے آخری بیت یہ ہیں ۔

اذا بعث المبعوث من آل غالب

بمکة فیما بین زمزم و الحجر

ھنالك فابغوا نصره ببلادکم

بنی عامر ان السعادة فی النصر

ترجمہ: جب مکہ مکرمہ جس میں چاہ زمزم اور حجر اسود ہیں ، آلِ غالب (حضورؐ) مبعوث ہوں تو اس وقت ان کی مدد و نصرت کے لئے کمر بستہ ہو جانا کیوں کہ تمام سعادت ان کی مدد و نصرت میں ہے۔

کاہن سطیح غسانی اور شق بن صعب:

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سطیح غسانی اپنے وقت کا معروف کاہن تھا۔ کاہن اس وقت ماورائی علوم کے حامل کو کہتے تھے۔ ایک دفعہ سطیح غسانی مکہ معظّمہ آیا۔ قریش کے چند لوگ ملاقات کے لئے

آئے۔ انہوں نے دوسرے قبیلے سے نسبت ظاہر کرکے اپنا حسب نسب سطیح سے مخفی رکھا۔

سطیح نے کہا، تمہارا تعلق قریش سے ہے۔

چاروں نے متاثر ہوکر اس سے مستقبل کی پیشین گوئی پوچھی۔ سطیح نے بہت سی باتیں بتائیں اور آخر میں کہا کہ عبدمناف کی پشت سے ایسا نوجوان پیدا ہوگا جو اُمّی ہوگا۔ بتوں کو سرنگوں کرکے خدائے وحدہٗ کی عبادت و بندگی کرے گا۔

یمن کے بادشاہ کا خواب:

ربیعہ بن نصر یمن کا بادشاہ تھا۔ اس نے خواب دیکھا جس سے وہ خوف زدہ ہوگیا۔اس نے کاہنوں، جادوگروں اور نجومیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا، میرا خواب اوراس کی تعبیر بیان کرو۔

وہ کہنے لگے،اے بادشاہ! آپ خواب بیان کریں گے تو ہم تعبیر بتائیں گے۔ بادشاہ نے کہا، اگر میں نے خواب بتادیا تو پھر میں تمہاری تعبیر سے مطمئن نہیں ہوں گا۔خواب کی صحیح تعبیر وہی بتا سکتا ہے جو میرے بتانے سے پہلے خواب سے آگاہ ہو۔

ان میں سے ایک بولا، یہ کام تو صرف سطیح غسانی اورشق بن صعب کرسکتے ہیں کیوں کہ اس وقت روئے زمین پران سے بڑا عالم کوئی نہیں۔

شاہ یمن نے دونوں کو پیغام بھیجا۔ سطیح پہلے حاضر ہوا اور بتایا، آپ نے شررفشاں آگ دیکھی ہے جو ظلمتوں سے ظاہر ہوئی، تہامہ کی زمین پر گری اور ہر کھوپڑی والی چیز کو کھا گئی۔ بادشاہ نے کہا، تو نے ذرّہ برابر غلطی نہیں کی۔ اب تعبیر بتا۔ سطیح بولا، اہلِ حبش اس ملک میں ضرور آئیں گے، وہ ابین اور جرش کے درمیانی علاقے پر قابض ہوجائیں گے۔

شاہ یمن ربیعہ نے کہا، اے سطیح! یہ تو میرے لئے تشویش ناک بات ہے۔ یہ واقعہ کب رونما ہوگا؟

سطیح غسانی نے کہا، آپ کے عہد حکومت سے ساٹھ یا سترّ سال کے بعد۔

ربیعہ نے پوچھا، کیا ان کی سلطنت ہمیشہ رہے گی؟

سطیح بولا، نہیں ان کی حکومت انتشار کا شکار ہوجائے گی کیوں کہ ان کے یہاں خانہ جنگی شروع ہوجائے گی پھر وہ یہاں سے بھاگ جائیں گے۔

ربیعہ: کون انہیں بھاگنے پر مجبور کرے گا؟

سطیح: عدن سے ارم بن ذی یزن آئے گا۔

ربیعہ: کیا ارم بن ذی یزن کی حکومت ابدی ہوگی؟

سطیح: اس کی حکومت بھی اختتام پذیر ہوجائے گی۔

ربیعہ: کون اس کی حکومت ختم کرے گا؟

سطیح: ایک پاکباز نبیؐ اس کی حکومت ختم کریں گے۔ اللہ کی جانب سے ان پر وحی آیا کرے گی۔

ربیعہ: یہ نبیؐ کس خاندان میں ہوں گے؟

سطیح: غالب بن فہر بن مالک بن نضر کی اولاد میں سے ہوں گے اوران کی سلطنت زمانۂ آخر تک رہے گی۔

ربیعہ: کیا زمانے کا آخر بھی ہوگا؟

سطیح: ہاں! اس دن پہلوں اور بعد والوں کو جمع کیا

جائے گا ۔ نیکو کار سعادت سے بہرہ مند ہوں گے جب کہ گناہ گاروں کو بدبختی کا سامنا ہوگا۔

اے سطیح جو کچھ تو بیان کر رہا ہے کیا یہ سچ ہے؟

سطیح نے کہا، شفق کی سرخی، رات کی سیاہی اور دن کی سپیدی کی قسم! میں نے جو بیان کیا وہ حق ہے۔

کچھ دیر بعد کاہن شق بن صعب بھی آ گیا۔

بادشاہ نے سطیح غسانی کی تعبیر کو شق سے مخفی رکھا تا کہ دونوں کی باتوں میں اختلاف معلوم ہو۔

شق نے کہا، آپ نے شرر فشاں انگارہ دیکھا ہے جو تاریکیوں سے نکلا۔ وہ باغ اور ٹیلے کے مابین گرا اور وہاں کی ہر چیز کو خاکستر کر گیا۔

دونوں نے ایک جیسا خواب بیان کیا تھا۔سوائے اس کے کہ سطیح نے بتایا کہ وہ انگارے سرزمین تہامہ میں گرے تھے اور ہر کھوپڑی والی چیز کو کھا گئے۔

بادشاہ بولا، اے شق اب تعبیر بھی بتا۔

شق نے کہا، اس سرزمین پر سوڈانی آئیں گے۔ وہ ہر چیز پر غلبہ پالیں گے۔ ابین سے لے کر نجران تک ان کے جھنڈے ہوں گے۔ یہ واقعہ آپ کی حکومت کے بعد ظہور پذیر ہوگا۔ پھر ایک جوان اہلِ یمن کو سوڈانیوں سے نجات دلائے گا اور ان کو عبرت ناک شکست سے دوچار کرے گا۔ وہ ذی یزن کے گھر سے نکلے گا لیکن اس کا اقتدار عارضی ہوگا۔

ربیعہ: کون ختم کرے گا اس کی سلطنت؟

شق: ایک رسولؐ ــــ حق اور عدل کے ساتھ تشریف لائیں گے وہ اس کی سلطنت ختم کر دیں گے۔ وہ نبیؐ دین وفضل والے ہوں گے۔ اقتدار قیامت تک ان کی قوم کے پاس رہے گا۔

بادشاہ ربیعہ بن نصر نے پوچھا، قیامت کیا ہے؟

شق: جب ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا۔

اس واقعہ کے بعد سطیح عرصہ دراز تک زندہ رہا۔ حتیٰ کہ اس نے وہ سعید وقت بھی پایا جب سرورِ کون و مکاںؐ اس عالم میں جلوہ افروز ہوئے۔

کسریٰ کا محل اور موبذانِ موبذ کا خواب:

تاج دارِ کونین حضرت محمدؐ کی ولادت کی شب شاہ ایران کسریٰ انوشروان بن قباذ نے ایوانِ کسریٰ کو لرزتے ہوئے دیکھا پھر محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ اس دوران آتش کدۂ فارس جو ایک ہزار سال سے فروزاں تھا، اچانک بجھ گیا۔

اگلے روز موبذانِ موبذ* نے رات میں دیکھا ہوا خواب بادشاہ کو سنایا ـــ سرکش اونٹ عربی نسل گھوڑوں کو مار رہے ہیں۔ پھر وہ اونٹ ان کے شہروں میں پھیل گئے، اور بحیرہ ساوہ خشک ہوگیا ہے۔

کسریٰ محل کی جنبش اور چودہ کنگروں کے گرنے سے ڈر گیا تھا، خواب سن کر پریشان ہوگیا۔ اس دوران

---

* موبذانِ موبذ (آتش پرستوں کا سب سے بڑا عالم)

آتش کدۂ فارس کے بجھنے کی خبر ملی جس سے اس کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ کسریٰ نے عبدالمسیح بن عمرو بن حیان کو سطیح غسانی کی طرف بھیجا۔

سطیح غسانی عبدالمسیح کا ماموں تھا۔ جب وہ پہنچا تو سطیح بسترِ مرگ پر تھا۔ ماموں کو سلام کیا لیکن جواب نہیں آیا تو اشعار پڑھے۔ ترجمہ:

''کیا وہ بہرہ ہو گیا ہے یا وہ صرف رئیسِ یمن کی بات سنتا ہے یا وہ فوت ہو چکا ہے اور اس پر موت قابض ہے۔ اے امرِ دشوار کا فیصلہ کرنے والے ! تمام لوگ اس مسئلے کو سلجھانے سے عاجز ہیں۔ اٰلِ سنن کا سردار تمہارے پاس آیا ہے۔ اس کی ماں کا تعلق اٰلِ ذئب بن حجن سے ہے۔ وہ سفید رنگ، خوش عیش اور بھرپور بدن کا مالک ہے۔ وہ شاہ عجم کا قاصد بن کر تیرے پاس آیا ہے۔''

اشعار سن کر سطیح نے جواب دیا،

''عبدالمسیح تیز رفتار اونٹنی پر سطیح کے پاس آیا، اس وقت وہ قریب الموت تھا۔ تمہیں شاہِ ساسان نے بھیجا ہے کیوں کہ ایوانِ کسریٰ لرز اٹھا ہے، آتش کدۂ فارس بجھ گیا ہے اور موبذان نے اس کو بتایا ہے کہ قوی اونٹ خالص عربی گھوڑوں کو دھکیل رہے ہیں۔ وہ دریائے دجلہ عبور کر چکے ہیں اور ملک فارس میں پھیل چکے ہیں۔ اے عبدالمسیح ! جب نشانیاں مزید ظاہر ہوں گی تو بحیرہ ساوہ خشک ہو جائے گا۔ صاحبِ عصا ظاہر ہوگا۔ وادی ساوہ میں طغیانی ہوگی تو سمجھ لیجئے کہ شام سطیح کا نہ ہوگا۔ گرنے والے کنگروں کی تعداد کے برابر ان کے بادشاہ ہوں گے۔ جو واقعہ رونما ہونے والا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔''

عبدالمسیح تعبیر لے کر کسریٰ کے پاس لوٹ گیا۔

حضرت عبدالمطلبؓ کا خواب:

حضرت عبدالمطلبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجر میں عجیب خواب دیکھا۔ تعبیر کے لئے قریش کے ایک روحانی عالم کے پاس گیا۔ اس نے میری بدلی ہوئی حالت دیکھی تو کہنے لگا، ہمارے سردار کو آج کیا ہوا ہے کہ چہرہ متغیر نظر آتا ہے؟ شاید کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ میں نے کہا، کل میں حجر میں تھا تو خواب دیکھا کہ ایسا درخت میرے ہاتھ پر ہے جس کا سر آسمان سے لگتا ہے اور شاخیں مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کوئی روشنی اس سے زیادہ روشن نہیں ہے۔ اس کی روشنی آفتاب کے نور سے ستّر گناہ زیادہ ہے۔ تمام عرب و عجم اس کی طرف سجدہ ریز ہیں۔ ہر لمحہ اس کی جسامت، روشنی اور بلندی بڑھتی جا رہی ہے۔ کبھی وہ چھپ جاتا ہے اور کبھی چمکنے لگتا ہے۔

میں نے دیکھا کہ قریش کی ایک اور جماعت اسے کاٹ دینا چاہتی ہے لیکن جب وہ اس کے نزدیک آتے ہیں تو انہیں کارکنانِ قضا و قدر پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ ایک حسین نوجوان انہیں گدی سے پکڑ کر پیچھے کھینچ رہا تھا گویا ان کی جڑیں اکھاڑ رہا ہو۔ میں نے اپنا حصہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور پوچھا کہ یہ کس

کے لئے ہے؟ اس نوجوان نے جواب دیا ان کے لئے ہے جنہوں نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا ہے۔ اس کے بعد میں بیدار ہوگیا۔

حضرت عبد المطلبؓ فرماتے ہیں کہ نجومیوں اور روحانی عالموں کو خواب سنایا تو ان کے چہرے متغیر ہوگئے۔ کہنے لگے، اگر یہ خواب سچا ہے تو تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے زیر نگیں مشرق و مغرب ہوں گے اور خلق خدا اس کی مطیع ہوگی۔

جب محمدؐ پیدا ہوئے تو ابو طالب بار بار کہتے تھے کہ بخدا وہ درخت جس کے بارے میں خواب تھا، ابوالقاسم امینؐ ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایمان کیوں نہیں لاتے تو کہنے لگے، لوگوں کے طعنوں سے ڈرتا ہوں اور عار محسوس کرتا ہوں۔

حضور پاکؐ والدہ محترمہ کے ساتھ:

حضور پاکؐ والدہ کے ساتھ یثرب (مدینہ) آئے۔ واپسی کے وقت ابواء جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے، پہنچے تو بی بی آمنہؓ بیمار ہوگئیں۔ حضور پاکؐ والدہ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ بی بی آمنہؓ نے چہرہ بیٹے کی طرف کرکے فرمایا۔ ترجمہ:

"اللہ تمہیں بابرکت لڑکا بنائے۔ اے اس باپ کے بیٹے! جو جنگ کی سختی کے مقام سے نہیں گھبراتا۔ نعمت دینے والے بادشاہ کی مدد سے بچ گیا۔ جس دن قرعہ اندازی ہوئی تو اس کی دیت سو اونٹ ٹھہری۔

اگر وہ صحیح بات ہے جو میں نے خواب میں دیکھی ہے تو تم ذوالجلال والاکرام کی طرف سے تمام لوگوں کے لئے بھیجے گئے ہو۔"

اس کے بعد بی بی آمنہؓ نے فرمایا:

> "کل من علیھا فان ــــ ہر زندہ میرندہ ہے اور نئی چیز پرانی ہونے والی ہے۔ میں فوت ہو جاؤں تو میرا ذکر ہمیشہ زندہ رہے گا کیوں کہ میں نے ایک پاکیزہ فطرت ہستی کو جنم دیا ہے اور نیک بخت یادگار چھوڑی ہے۔"

بی بی آمنہؓ دار فانی سے رخصت ہوئیں تو جنات کی غم زدہ آواز میں اشعار پڑھنے کی آوازیں آتی تھیں جن میں حضرت محمدؐ کی بشارت بھی موجود ہے۔

نبکی الفتاہ البرۃ الامینۃ
ذات الجمال العفۃ الرزینۃ
زوجۃ عبداللہ والقرینہ
ام نبی اللہ ذی السکینۃ
و صاحب المنبر باالمدینہ
صارت لدی حفرتھا رھینۃ

ترجمہ: ہم اس نوجوان خاتون پر روتے ہیں جو نیکوکار اور امانت دار تھیں۔ حسن و جمال اور پاک دامن اور وقار والی تھیں۔ حضرت عبداللہؓ کی زوجہ اور ساتھی نیز باوقار نبی (حضرت محمدؐ) کی والدہ ہیں۔ وہ نبیؐ جو مدینہ طیبہ میں صاحبِ منبر ہوں گے۔ آپ (بی بی آمنہؓ) اپنی قبر مبارک میں بطور امانت جاگزیں ہوگئیں۔

عثمان طاہر

محبوب رب العالمینؐ

سرورکونین حضرت محمدؐ کی تعلیمات راہ نمائی کرتی ہیں کہ ہرفرد نے پیدائش کے بعد خالق کائنات کا دیدار اور ربوبیت کا اقرار کیا ہے۔ عالم ناسوت یا امتحان گاہ — عہدِ الست کی تجدید کا مقام ہے۔ اعمال منفی ہوں یا مثبت، بالآخر آدمی فانی دنیا سے رخصت ہوکر اپنی فلم ضرور دیکھے گا۔

اچھائی اور برائی میں تفریق احسن زندگی ہے۔

برائی اور اچھائی دونوں بیج ہیں۔ جس بیج کو بوئیں گے، اس میں موجود مقداریں پھیل کر درخت بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے شک سے اجتناب کا حکم دیا ہے اور مخلوق کے لئے جس راستے کو پسند فرمایا ہے وہ صراط مستقیم ہے۔ مستقیم — استقامت اور استقامت — یقین ہے۔ یقین پر قائم رہنے کا قانون ”ایاک نعبد وایاک نستعین“ ہے۔

ابا آدمؑ سے لے کر آخری نبی حضرت محمدؐ نے امت کو ”اللہ کی عبادت اور اللہ سے مدد“ کا پیغام دیا ہے کہ یہی شک سے دور رہنے کا طریقہ ہے اور اسی راستے پر چل کر یقین منور ہوتا ہے۔

خالق کائنات کی ذات مبارک تبدیلی سے پاک ہے۔ اس کے برعکس مخلوق کی تعریف — تغیر ہے۔ تغیر کے معنی غیر ہونا یعنی اصل سے دوری ہے۔ دوری کے تعین سے فرد کی شناخت قائم ہوتی ہے۔ دوری کی مقداروں میں عدم توازن پیدا ہو تو فرد کی شناخت متاثر ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سنت میں تبدیلی اور تعطل نہیں ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ تغیر شے میں نہیں، نظر میں ہے۔ کُن کے بعد جو شے جس طرح وجود میں آئی — آج بھی موجود ہے البتہ آدمی چیزوں کو جس نظر سے دیکھ رہا ہے وہ نظر ”اصل“ پر قائم نہیں ہے۔ اس تبدیلی کا آغاز نافرمانی سے ہوا۔

شجر ممنوعہ کے قریب جانے میں بنیادی نکتہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اس لئے کہ جنت میں شماریات سے زیادہ درخت موجود ہیں۔ ایک درخت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اس کے قریب نہ جانا۔ شجر ممنوعہ کی طرف متوجہ ہوکر آدمی اپنے اندر تغیر سے واقف ہوگیا۔ اس سے پہلے اللہ کے خیال میں رہ کر وہ جنت میں جس چیز کی طرف متوجہ ہوا، لامحدودیت غالب رہی۔ محدودیت نوع آدم کے اندر پہلے سے

موجود مگر مغلوب تھی اور اس وقت مظہر بنی جب نافرمانی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہیں۔نور کی صفت بے نیازی ہے جسے ''ڈائی مینشن لیس'' ہونا کہتے ہیں۔ ڈائی مینشن مخلوق میں ہے کیوں کہ وہ تقاضوں کی محتاج ہے۔جب فرد کی فرد سے توقعات ختم ہوتی ہیں تو بے نیازی پیدا ہوتی ہے۔یعنی جب ذہن ڈائی مینشن سے ہٹتا ہے تو نور — نظر بن جاتا ہے۔

جنت میں ڈائی مینشن (اپنی خواہش یعنی میں) کی طرف متوجہ ہونے سے وہ نظر جو نور سے واقف تھی، اس کی مرکزیت بدل گئی — درخت تبدیل نہیں ہوا۔ نظر نور سے ہٹ کر تغیر کی طرف متوجہ ہوگئی۔یہی وجہ ہے کہ جب آدمی اصل سے دور ہوا تو دوری کی نظر سے اس نے ہر شے کو اصل سے دور دیکھا اور سمجھا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ آخری نبی احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰؐ پر ختم ہوا۔ ہر نبی نے قوم کو ایک پیغام دیا — اللہ ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔مقصد یہ ہے کہ نظر پر سے محدودیت کے پردے کو ختم کر کے بندے کو لامحدودیت سے متعارف کرایا جائے۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں اتحاد و اتفاق چاہتے ہیں،انتشار اور بے سکونی اللہ کو ناپسند ہیں۔

پیغمبران کرام کی حیات طیبہ پر تفکر کیا جائے تو سب نے یقین کو اپنایا،شک سے دور رہے،معاملات میں عفوودرگزر سے کام لیا اور حق تلفی نہیں کی۔

صادق و امین حضرت محمدؐ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اہلِ مکہ کو دعوت توحید ناگوار گزری۔ چناں چہ ہادی مبینؐ نے پیغامِ حق کو پھیلانے میں جس قدر تکالیف دیکھیں وہ بیان سے باہر ہیں!

محترم قارئین! امت کی حیثیت سے اس بات پر توجہ دینا لازم ہے کہ رسول اللہؐ نے دین اسلام کو پھیلانے کے لئے کتنی اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں۔ سیرت طیبہؐ کے اس پہلو کے مطالعے سے ہمارے اندر نفسا نفسی سے نکلنے ،کائناتی شعور سے واقف ہونے اور اللہ سے محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

تاریخ شہادت فراہم کرتی ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ کے فرمان کے مطابق زندگی گزاری وہ رب العالمین اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رحمۃ للعالمینؐ کا محبوب ہے۔

محبوبیت — خلقِ خدا میں مقبولیت ہے۔

سرور دین حضرت محمدؐ نے ہمت و حوصلے کی چٹان بن کر مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے توحید کا پیغام عام کرنے کے لئے کٹھن حالات کا مقابلہ کیا۔

ولادت سے قبل والد محترم حضرت عبداللہؓ اور چند سال بعد والدہ ماجدہ بی بی آمنہؓ دنیا سے رخصت ہوئیں۔ پھر دادا عبدالمطلبؓ نے بھی دارِ فانی سے دارِ آخرت کی طرف سفر کیا۔

نبوت کا اعلان ہوتے ہی منکرین نے جو اذیت پہنچائی، پڑھ کر وجود پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔طعن و تمسخر کا نشانہ بنایا گیا، آوارہ لوگوں کے ذریعے مردہ جانوروں کی آلائیشیں پھینکی گئیں، گھر سے نکلتے تو اوباش نوجوان پتھر مارتے ___ سر اور چہرے سے خون بہنے لگتا تھا۔ راستے میں کانٹے بچھائے گئے ___ پاؤں زخمی ہوجاتے تھے۔

ایک روز ام المومنین بی بی خدیجہؓ نے پوچھا، کیا آج بہت رنج اٹھایا ہے ___؟ آپؐ نے فرمایا،

> ''اے خدیجہ! جب انسان یہ جان لے کہ وہ کس مقصد کے لئے اور کس کی خاطر رنج اٹھا رہا ہے تو اسے دکھ اور درد کا احساس نہیں رہتا۔''

اذیت پہنچانے میں حضرت محمدؐ کے دو چچا ابوجہل، ابی لہب اور اس کی بیوی ام جمیل آگے تھے اور مکہ کے اوباش نوجوانوں کو شریک ہونے کے لئے اکساتے تھے۔ جب ابی لہب نے دیکھا کہ اتنی سختی کے باوجود بھتیجا حق بات کہنے سے نہیں رکتا تو اس نے پستی کی انتہا کردی۔ آپؐ کی دو صاحبزادیاں بی بی رقیہؓ اور بی بی ام کلثومؓ جو ابی لہب کے بیٹوں سے بیاہی گئی تھیں، انہیں طلاق دلوادی۔

ام المومنین بی بی خدیجہؓ اس واقعے سے دل برداشتہ ہوگئیں لیکن صبر و استقلال کی مثال حضرت محمدؐ نے اللہ پر یقین اور صبر کی تلقین کی۔ باپ کی حیثیت سے رسول پاکؐ کو اس واقعے سے صدمہ پہنچا لیکن خاندانی دشمنی اور نفسیاتی دباؤ کے باوجود آپؐ نے صبر سے کام لیا اور صراط مستقیم پر قائم رہے۔

طائف میں لوگوں نے اوباش بچوں کو پیچھے لگا دیا جنہوں نے پتھر مارے، آپؐ لہولہان ہوگئے اور نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔

توحید کے مشن کو کامیاب ہوتا دیکھ کر قریش کے سرداروں نے حضرت محمدؐ اور ان کے اصحاب پر ظلم کی انتہا کردی۔ ایک بار بیت اللہ میں عبادت کے دوران ابوجہل نے سرکردہ افراد کی مدد سے کثیف خون اور غلاظت سے بھری اونٹ کی اوجڑی آپؐ کے سر اور گردن پر باندھ دی۔ یہ ایک انتہائی قدم تھا جس کا تصور کرتے ہی روح کانپ اٹھتی ہے۔

وہاں موجود لوگوں میں روکنے کی ہمت نہیں تھی۔ قریش کی ایک عورت اس منظر کی تاب نہ لاسکی اور فوراً بی بی رقیہؓ کو اطلاع دی۔ خبر سن کر وہ روتے ہوئے خانہ کعبہ میں داخل ہوئیں۔ انہیں دیکھ کر ابوجہل اور اس کے ساتھی پیچھے ہٹ گئے۔

مشرکین مکہ نے کئی بار قتل کی سازشیں کی مگر اللہ نے بدبختوں کے عزائم خاک میں ملا دیئے۔ بیت اللہ میں داخلے سے روک دیا گیا حتیٰ کہ سماجی بائیکاٹ (مقاطعہ۔ ترکِ تعلق) کیا گیا۔ آپؐ نے تین سال مسلمانوں کے ہمراہ شعب ابی طالب میں گزارے مگر سخت حالات کے باوجود عزم و استقلال میں فرق

نہیں آیا۔ زبانِ مبارکؐ پر ایک ہی نام اور مصفّا و مجلّا دل میں ایک ہی ذکر تھا ــــ قل ھواللہ احد!

حضور پاکؐ کی زندگی ایثار ہے۔ حیات طیبہ میں جو سختیاں درپیش رہیں ان کے مطالعے سے وجود کانپ اٹھتا ہے۔ سرور کائنات کے روحانی علوم کے متلاشی افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسوۂ حسنہؐ پر تفکر کریں کہ نبی رحمتؐ ــــ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پرچار کرنے کے لئے تکالیف کے باوجود کس طرح حوصلے کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ اس سفر میں ذہن ایک لمحہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے نہیں ہٹا اور اللہ کی قربت نبی کریمؐ کی ہمت بن گئی۔

آج مسلمان ــــ رسول اللہؐ پر جان سے فدا ہیں اور ان کی شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں مگر حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ یہ محبت ــــ؟

رسول اللہؐ نے پہلے عمل کیا ــــ اس کے بعد لوگوں کو تلقین کی۔ آپؐ کی ذات مبارک محبت، ایثار، کائناتی قوانین اور روحانی علوم کا خزینہ ہے۔

سیرت طیبہؐ ہماری راہ نما ہے کہ تخریب شیطانی اور تعمیر رحمانی عمل ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا:

”مومن کی پہچان یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے۔“

ہم اپنے لئے ناانصافی پسند نہیں کرتے، پھر اپنے بھائی کے ساتھ ناانصافی کیوں کرتے ہیں ــــ؟ اپنی بیٹی کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں پھر کسی کی بیٹی کو تکلیف کیوں دیتے ہیں ــــ؟ اپنے ماں باپ کی عزت کی خواہش رکھتے ہیں پھر کسی اور کے ماں باپ کا احترام کیوں نہیں کرتے ــــ؟ اپنے بچوں کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے پھر کسی کے بچوں کی دل آزاری کا سبب کیوں بنتے ہیں ــــ؟ اپنے لئے ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، بدعنوانی، جھوٹ، نفرت، تعصب، حسد اور قول و فعل میں تضاد نہیں چاہتے ــــ پھر دوسروں کے لئے گڑھا کیوں کھودتے ہیں جس میں جلد یا بدیر ہمیں گر جانا ہے ــــ؟ ہم غیر اقوام کی ایجادات کے محکوم ہیں، قرآن کریم جو حضور پاکؐ پر نازل ہوا، اس میں موجود تخلیقی فارمولوں پر تفکر کر کے خود موجد کیوں نہیں بنتے ــــ؟

قوم کی تعمیر اخلاق سے ہوتی ہے۔ حال یہ ہے کہ سابقہ امتوں کے جن اعمال و کردار کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا، وہ سب آج اِس امت میں موجود ہیں۔ زندگی بے وقعت اور احساسِ گناہ ختم ہو گیا ہے۔ ہر شخص مال کی محبت میں گرفتار ہے اور مایہ جال کو خوش قسمتی سمجھتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے تنبیہ ہے،

”جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کے لئے خرچ نہیں کرتے ان لوگوں کے لئے عذاب الیم کی بشارت ہے۔“ (التوبہ:۳۴)

اللہ اس فرد یا قوم کی حالت نہیں بدلتا جو اپنی اصلاح کے لئے جدوجہد نہیں کرتی۔ اگر ہم رحمۃ للعالمینؐ کی رحمت کے سہارے اپنے درمیان اختلافات کو ختم کرلیں تو اللہ اور اس کے محبوبؐ کے پسندیدہ لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

سرورِ کونین حضرت محمدؐ کی تعلیمات راہ نمائی کرتی ہیں کہ ہر فرد نے پیدائش کے بعد خالقِ کائنات کا دیدار اور ربوبیت کا اقرار کیا ہے۔ عالمِ ناسوت یا امتحان گاہ — عہدِ الست کی تجدید کا مقام ہے۔ اعمال منفی ہوں یا مثبت، بالآخر آدمی فانی دنیا سے رخصت ہو کر اپنی فلم ضرور دیکھے گا۔

انسان پرت در پرت مجموعہ ہے۔ ہر پرت صلاحیت ہے۔ نافرمانی کی وجہ سے فرد پر ایک پرت ایسا غالب آجاتا ہے جس سے وہ شک اور وسوسوں میں مبتلا ہو کر اپنے اندر موجود روحانی صلاحیتوں اور اپنی اصل سے دور ہو جاتا ہے۔ یہی وہ ارضی زندگی ہے جس کو قرآن کریم نے ''اسفل سافلین'' کہا ہے۔

اسفل شعور سے نکلنے کا راستہ محبوب رب العالمینؐ کی سیرت پر عمل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انتشار سے محفوظ رکھے، ہم متحد ہو کر سیرتِ طیبہؐ پر عمل کریں تاکہ شک سے نکل کر یقین میں داخل ہوں اور کائنات میں اپنے مقام احسنِ تقویم سے واقف ہو جائیں، آمین۔

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک
عدل اِس کا تھا قریب لوثِ مراعات سے پاک
شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے نم ناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستیِ فوق الادراک
خود گدازی نَمِ کیفیتِ صہبایش بود
خالی از خویش شُدن صورتِ مینایش بود
ہر مسلماں رگِ باطل کے لئے نشتر تھا
اُس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا
جو بھروسا تھا اُسے قوتِ بازو پر تھا
ہے تمہیں موت کا ڈر اُس کو خدا کا ڈر تھا
باپ کا عِلم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پِسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو؟
ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!
حیدری فقر ہے نَے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

(کلام: حضرت علامہ اقبالؒ)

لوث مراعات (لحاظ سے آلودہ)، شجر فطرت (مزاج)، فوق الادراک (سمجھ سے بالاتر)، خودگدازی نم (اپنی نفی یا دوسروں کے لئے وقف کرنا)، صہبایش بود (سرخ شراب کی طرح تھا)، خالی از خویش شدن (بے غرض ہونا)، مینایش (شراب سے خالی صراحی کی مانند)

کمال کرتارپوری جگن ناتھ

عالم سنور کے بیٹھ گئے انتظار میں

دنیا پہ جب وہ ساعتِ اکرام آگئی
اپنی جگہ پہ گردشِ ایام آگئی
دن ڈھلتے ڈھلتے دھوپ لبِ بام آگئی
تفسیر والضحیٰ کے لئے شام آگئی
واللیل تھی شروع کہ خورشید چھپ گیا
چھپتا نہ کیوں یہ مہرِ رسالتؐ کا وقت تھا

اس جُھٹ پٹے میں آنکھ ستاروں کی کھل گئی
آئی جو چاندنی تو سیاہی بھی گھل گئی
دنیا تمام اوس کے چھینٹوں سے دھل گئی
کل کائنات رت جگا کرنے پہ تل گئی
قدرت نے احترام یہ اس رات کا کیا
سرمہ بنا کے دیدہ و دل میں لگادیا

پھیلی یہ بات انجمنِ کائنات میں
رحمت کو اضطراب ہے، اللہ کی ذات میں
نکلے گا آفتاب وہ تاریک رات میں
اک نور پھیل جائے گا راہِ نجات میں
سن کر یہ بات وقت گریزاں ٹھہر گیا
باگیں کھنچیں تو ابلقِ دوراں ٹھہر گیا

عرشی تھے نورِ ذات کو تاباں کئے ہوئے
قدسی تھے شمع دل کو فروزاں کئے ہوئے
فرشی تھے دل کے داغ نمایاں کئے ہوئے
ساری خلا ملا تھی چراغاں کئے ہوئے
لطفِ خلش، دبا کے دلِ بے قرار میں
عالمَ سنور کے بیٹھ گئے، انتظار میں

جب آمدِ حضورؐ کے آثار ہوگئے
نزدیک و دور پرچہ و اخبار ہوگئے
جن و ملک سلام کو تیار ہوگئے
حاضر سبھی ثوابت و سیار ہوگئے
دستِ خدا نے کھول کے باب انقلاب کا
سورج کیا طلوع رسالت مآبؐ کا

کیا کیا نہ معجزے ہوئے وقتِ ورود میں
مصروف تھے ملائکہ ذکر و درود میں
مشغول تھے بشر بھی قیام و قعود میں
یعنی کہ ہست و بود تھے سجدہ سجود میں
کہتے تھے سب کہ صلِ علیٰ کیا ظہور ہے
تنویر ہے کہ جلِ علیٰ شمعِ طور ہے

ظاہر جب حضورؐ کے انوار ہوگئے
آتش کدے تھے جتنے وہ فی النار ہوگئے
کسریٰ محل میں ڈھیر، وہ مینار ہوگئے
لات وہبل بھی ساجدِ سرکار ہوگئے
نکلا جب آفتاب وجودِ حضورؐ کا
گُل ہوگیا چراغ، بتوں کے غرور کا

محبوبِ حق کی خوبئ تقدیر کی قسم
تخلیقِ کائنات کی تدبیر کی قسم
وعدۂ شفاعتِ تقصیر کی قسم
یا حضرت رسولؐ کی تنویر کی قسم
جن کو نصیب ہوگیا دیدار آپؐ کا
پروانہ بن گیا وہ سرکار آپؐ کا

اعمالِ اصفیا کا خلاصہ رسولؐ ہیں
اوصافِ اولیاء کا خلاصہ رسولؐ ہیں
افضالِ انبیاء کا خلاصہ رسولؐ ہیں
تخلیقِ کبریا کا خلاصہ رسولؐ ہیں
اب اور وصفِ گوہرِ مقصود کیوں کروں
اس حسنِ لامحدود کو محدود کیوں کروں

دنیا پہ جب وہ ساعتِ اکرام آگئی
اپنی جگہ پہ گردشِ ایام آگئی
دن ڈھلتے ڈھلتے دھوپ لب ِبام آگئی
تفسیر والضحیٰ کے لئے شام آگئی
واللیل تھی شروع کہ خورشید چھپ گیا
چھپتا نہ کیوں یہ مہرِ رسالتؐ کا وقت تھا

نفیسہ شاکر

راز در ــــ راز

دنیا کی تاریخ میں زلزلے وقتاً فوقتاً اور تقریباً ہر جگہ آتے ہیں۔ جن کو زلزلے کا تجربہ ہے وہ بتا سکتے ہیں کہ تھرتھراتی زمین اور خاموش زمین میں کیا فرق ہے۔

اللہ کی عنایات کا شمار ممکن نہیں۔ آدمی انفرادیت میں اس قدر پھنسا ہوا ہے کہ جو نعمتیں میسر ہیں انہیں اپنا حق سمجھ کر استعمال کرتا ہے مگر ان پر غور و فکر نہیں کرتا۔

سورج کا ایک سمت سے نکل کر دوسری سمت میں غروب ہونا، اس دوران حدت کی لہروں کو دنیا پر نچھاور کرنا، رات میں چاند کا نظر آنا، گھٹنا بڑھنا، سمندروں اور مخلوقات کی کیفیات پر اثر انداز ہونا، ستاروں کا ٹمٹمانا، ٹھنڈی اور نرم ہواؤں کا چلنا، پیروں کے نیچے زمین کا استقامت کے ساتھ قائم ہونا اور مسلسل حرکت میں رہنا، بارش برسنا، قسم قسم کی نباتات کا ظہور، سانس کا داخل و خارج ہونا، حواس کا شناخت کو برقرار رکھنا، ہر نوع میں نظام زندگی کا جاری رہنا اور اس جیسی لاشمار نعمتیں ہیں جن پر آدمی خود ساختہ مسائل میں الجھنے کی وجہ سے تفکر نہیں کرتا مگر ان میں سے ایک نعمت کم ہو جائے تو جان پر بن آتی ہے۔

چند محققین آبدوز میں تھے۔ آبدوز میں سانس لینے کے لئے آکسیجن کے سلنڈر ہوتے ہیں۔ اتفاق سے آبدوز کے کَل پرزوں میں خرابی پیدا ہوئی۔ جس وقت اسے پانی کی سطح پر آنا چاہئے تھا، وہ نہ آسکی۔ نتیجے میں آکسیجن سلنڈر میں ہوا کی مقدار کم رہ گئی۔

اب ایک طرف انجینیئر کَل پرزوں کو درست کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور دوسری طرف سانس لینے کے لئے ہوا کم ہوتی جا رہی تھی۔ الامان الحفیظ جب تک پرزوں میں خرابی درست ہوئی، ان لوگوں کو موت نظر آ چکی تھی۔ پرزے ٹھیک ہوتے ہی آبدوز تیر کی طرح اوپر اٹھی ـــ سطحِ آب سے باہر آئی۔ باہر آنے سے بے حساب اور مفت ہوا پھیپھڑوں میں داخل ہوئی تب ان لوگوں کو اللہ کی نعمت کی قدر ہوئی۔

مادی محققین و ماہرین کی اکثریت جسم کو سب کچھ سمجھتی ہے، چاہے جسم مشین کا ہو یا آدمی کا۔ جب تمام ایجادات آدمی کی جان بچانے سے قاصر ہو جاتی ہیں تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اب صرف دعا اسے بچا سکتی ہے۔ بالفاظ دیگر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سوائے اللہ کی ذات کے کوئی فرد کو زندگی نہیں لوٹا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ

اس سے پہلے اس کی زندگی کو کس نے قائم رکھا ہوا تھا؟ اگر مشینیں زندگی دیتی ہیں تو چلتے پھرتے آدمیوں کے ساتھ آدمی کی ایجاد کردہ کون سی مشین لگی ہوئی ہے؟

ماہرین کَل پرزے درست کر سکتے ہیں کہ ان میں خرابی کی وجہ سے فرد یا مشین (کَل پرزوں) میں قدرتی نظام جاری رہنے کے لئے جو دشواری پیدا ہو رہی ہے وہ دور ہو جائے۔ خرابی دور ہونے کے بعد بھی ڈاکٹر یا مکینک زندگی کی ضمانت نہیں دیتا!

زمین کے قطب شمالی اور قطب جنوبی ایسے حصے ہیں جہاں سورج کی کرنیں کم پہنچتی ہیں۔ وہاں چھ ماہ کا دن ہوتا ہے اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے مگر دن بھی کیا! دھندسی چھائی رہتی ہے جیسے کبھی موسلا دھار برسات والی صبح ہمارے یہاں نکلتی ہے۔ ان علاقوں میں کمروں میں قمقمے یا قمقمے روشن رہتے ہیں ورنہ اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ سردی کا یہ عالم ہے کہ علاقہ برف سے ڈھکا رہتا ہے اور پھر برف بھی کیسی؟ گزوں اور فرلانگوں گہری۔ جو لوگ وہاں رہتے ہیں، وہی رہ سکتے ہیں۔

قطب شمالی اور جنوبی میں رہنے والے سورج کی گرم لہروں اور قوت بخش دھوپ کو ترستے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ ان نعمتوں سے واقف نہ ہوں۔ برفانی بارہ سنگھوں یا سفید ریچھوں سے کھال، گوشت، ہڈیاں اور چربی ملتی ہے یا مچھلیاں یہاں پھنس جائیں تو ان سے غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس ہم سورج اور چاند جیسی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے — ناقدری کفرانِ نعمت ہے۔

سورج تو دور کی بات — ہم زمین پر چلتے، پھرتے اور دوڑتے ہیں لیکن قدموں تلے زمین کی قدر نہیں کرتے۔ زمین کی قدر اس شخص سے پوچھئے جس کا آبی جہاز تباہ ہو چکا ہو اور وہ منجدھار میں ''تنہا'' ایک تختے پر موجوں کے سپرد ہو۔ وہ بے خبر ہے کہ شمال و جنوب کدھر ہیں اور مشرق و مغرب کہاں ہیں۔ اس دوران خوں خوار سمندری جانور دکھائی دیتے ہیں۔ ہر طرف موت کا سایہ چھایا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایسے میں خشک زمین نظر آجائے تو —؟

ایک بار دریائے جمنا میں طوفان آیا اور بیسوں گاؤں زمین بن گئے۔ تختوں پر لوگ بہتے چلے آرہے تھے۔ مدد کے لئے لوگوں نے پل پر سے رسیاں لٹکا رکھی تھیں۔ جیسے ہی کوئی تختہ قریب آتا، پل والے شور مچاتے تھے کہ دھیان سے رسی پکڑ لو۔ بعض لوگ رسی پکڑ لیتے اور بعض پکڑ کر گھبراہٹ میں چھوڑ دیتے۔ طوفان میں گھرے لوگوں کو زمین کی قدر ہوئی۔

دنیا کی تاریخ میں زلزلے وقتاً فوقتاً اور تقریباً ہر جگہ آتے ہیں۔ جن کو زلزلے کا تجربہ ہے وہ بتا سکتے ہیں کہ تھرتھراتی زمین اور خاموش زمین میں کیا فرق ہے۔

خالق کائنات کی نعمتوں میں ایک نعمت چاند ہے۔

چاند مخصوص رفتار سے گھٹتا بڑھتا ہے۔ اس کی کرنوں سے مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ چاند کے متعلق سائنس کہتی ہے کہ یہ زمین کے گرد گھومتا ہے، اس گردش میں جتنا حصہ زمین کی اوٹ میں رہتا ہے، وہ تاریک ہوتا ہے اور جو حصہ اوٹ سے باہر ہے، وہ روشن ہوتا ہے۔

مگر چاند کا گھٹنا بڑھنا راز در ـــــ راز ہے۔

سرورِ کونین حضرت محمدؐ سے کسی نے دریافت کیا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں کیا مصلحت ہے؟

آیت نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ چاند سے لوگوں کو بڑے بڑے کام نکلتے ہیں، اس کے گھٹنے بڑھنے سے دنوں اور برسوں کا حساب معلوم کیا جاتا ہے۔ لوگوں کے معاملات اور عبادات کے اوقات کا نظم وضبط چاند پر موقوف ہے۔

بتایئے آدمی معاملات خوش اسلوبی سے کب طے کرتا ہے؟ جب مزاج پُرسکون ہو، گھبراہٹ اور پریشانی نہ ہو۔ بندہ گھر سے خوش نکلے تو دنیاوی معاملات خوش اسلوبی سے طے کرتا ہے۔ فرد گھر سے خوش اس وقت نکلتا ہے جب وہ اپنے کنبے بالخصوص بیوی سے خوش ہو۔

معاملات حل کرنے کا انحصار طبیعت کی حاضری اور غیر حاضری پر ہے۔ بیوی کی اچھی اور بری طبیعت کا اثر بن کہے پڑتا ہے۔ بیوی خوش سلیقہ ہے تو شوہر مطمئن رہتا ہے۔ اسی طرح شوہر ذمہ دار اور خوددار ہو تو بیوی خوش رہتی ہے۔ غصے سے گھر کا ماحول خراب ہو جاتا ہے لہٰذا گھر کے سربراہ کی حیثیت سے مرد کا شفیق ہونا ضروری ہے۔

مزاجوں کے اتار چڑھاؤ میں چاند کا عمل دخل ہے کیوں کہ چاند کی کرنیں طبیعت اور مزاج پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے مزاج کے لئے چاند کو قصوروار ٹھہرائیں۔ جب چاند کی کرنیں ہم تک پہنچتی ہیں تو ہم سے خارج ہونے والی روشنی بھی چاند تک جاتی ہے۔ پھر چاند ہماری طرح برہم کیوں نہیں ہوتا ـــــ؟ اللہ نے اس کا جو تشخص قائم کیا ہے، وہ اسی دائرے میں گردش کرتا ہے۔

کائنات میں جس شے پر فرد کو سب سے پہلے غور وفکر کرنا چاہئے وہ اس کا جسم ہے کیوں کہ جو شے فرد کی دسترس میں ہے، کائنات میں ہر شے سے منسلک ہے اور اس کے اندر زندگی دوڑ رہی ہے، وہی ''زندگی'' کو حقیقت آشنا کرتی ہے۔ خود کو چھوڑ کر دوسروں پر تحقیق کرنے سے گتھیاں مزید الجھ جاتی ہیں۔ کائنات میں موجود ہر چیز انسان کے جسم میں موجود ہے۔ کوئی ایسی چیز بتا دیں جو کائنات میں ہے اور انسان میں نہیں؟

جسم حیرت انگیز لیبارٹری ہے جس میں بیک وقت بے شمار کیمیائی تعاملات (کیمیکل ری ایکشن) ہوتے ہیں اور ان سے بننے والے مرکبات سے اعضا کو ایندھن ملتا ہے۔ آدمی کتنی ترقی کیوں نہ کر لے، وہ روبوٹ بنا سکتا ہے لیکن جسم کو درکار کیمیائی مادے بنا کر

روبوٹ کو آدمی نہیں بنا سکتا۔

جسم کی لیبارٹری کو کون چلا رہا ہے—؟

تمام درکار سیال اور گیس کہاں سے آرہی ہے—؟

ان کو حرکت کون دے رہا ہے—؟

کیا یہ غور طلب نہیں ہے کہ جو ہمیں، سورج، چاند، ستاروں، پہاڑ، سمندر، بادل، فضا، بخارات، بارش، ذرّات، حیوانات، جمادات وغیرہ کو حرکت دیتا ہے، وہ نظر کیوں نہیں آتا جب کہ نظر آتا ہے—؟

تعجب ہے کہ آدمی کے سامنے کتاب ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھی جائی اور رکھنے والا نظر نہ آئے تو آدمی چونک جاتا ہے یہاں تک کہ حواس باختہ ہوکر کمرے سے نکل آتا ہے۔لیکن اپنے آپ پر غور نہیں کرتا کہ میں بھی اسی طرح سے حرکت میں ہوں جس طرح کتاب ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھی گئی ہے اسی طرح مجھے بھی حرکت دینے والا مجھے نظر نہیں آرہا۔ کیوں نظر نہیں آتا اور کون ہے جو مجھے حرکت دیتا ہے—؟

ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔

هم اس لئے غور نہیں کرتے کیوں کہ ہم حرکت کا محرک خود اپنے آپ کو سمجھتے ہیں!

بتایئے خیال نہ آئے تو کیا ہم حرکت پر قادر ہیں؟ بات کرتے ہوئے آنکھ کی پتلیوں سے لے کر پیر کے انگوٹھے تک پورا جسم ہلتا ہے، اس میں کون سی حرکت ہمارے ارادے سے ہوتی ہے؟ کیا ہم سوچتے ہیں کہ فلاں لفظ کہتے ہوئے میں ایسے منہ بناؤں گا، ابرو کا اتار چڑھاؤ کیا ہوگا، گردن کتنے زاویوں پر گھومے گی اور ہاتھوں کی حرکت کیا ہوگی—؟

ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ جس روانی سے ہم بات کرتے ہیں اس میں لفظوں کی ترتیب کیا ہے؟ بس مفہوم ذہن میں ہوتا ہے اور لفظ ترتیب در ترتیب جملے بن جاتے ہیں۔ اگر آدمی ایک ایک لفظ سوچ کر بولنا شروع کر دے تو وہ کتنی دیر میں بات پوری کرے گا؟

ہم نہیں سوچتے کہ خیال آنے پر ذہن میں تصویریں کیوں بنتی ہیں؟ کہاں سے اور کس طرح بنتی ہیں؟ دور پرے کا خیال وہاں کے مقامات کو دماغ کی اسکرین پر کیسے منعکس کر دیتا ہے؟ بات کرتے ہوئے ہم یہ کیوں کہتے ہیں کہ اس وقت ذہن خالی ہے؟ خالی ذہن اور خیال کا کیا تعلق ہے—؟

یہ نظر انداز کرنے والی باتیں نہیں، ان میں رموز ہیں جن کے کھلنے سے ہم حرکت دینے والی ہستی سے متعارف ہوتے ہیں۔آنکھوں دیکھے رموز پر غور نہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھے، گونگے اور بہرے فرمایا ہے۔تفکر سے گریز نعمتوں کی ناقدری ہے۔

کائنات کی ساخت پر غور کرنے والا مادی ذہن اس لئے رک جاتا ہے کیوں کہ وہ اپنی ساخت سے واقف نہیں ہے۔ لہٰذا اندر اور باہر موجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے واقف ہونے کے لئے تفکر ازبس ضروری ہے۔

حامد ابراہیم

روحانیت اور سائنس ـــــ ؟

برقی مقناطیسی لہروں میں محققین دونوں کو لازم قرار دیتے ہیں۔ محض برقی یا پھر مقناطیسی لہروں کا وجود موجودہ تحقیق کے نظریات و تجربات کی حدود میں ابھی تک معما ہے۔

رب کائنات اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اللہ ایک ایک حاملہ کے پیٹ سے واقف ہے جو کچھ اس میں بنتا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اس میں کمی یا بیشی ہوتی ہے اس سے بھی وہ باخبر رہتا ہے۔ ہر چیز کے لئے اس کے ہاں مقدار مقرر ہے۔'' (الرعد: ۸)

آیت میں معین مقداریں، مقداروں کے لازم و ملزوم ہونے اور ان میں کمی بیشی سے اشیا میں تغیر کی نشان دہی ہے۔ اگر شے کی مقداروں میں کلی یا جزوی تغیر واقع ہو تو شے کی ماہیت بدل جاتی ہے۔

۱۔ تغیر کے محرکات کیا ہیں؟

۲۔ یہ محرکات کس طرح عمل میں آتے ہیں؟

۳۔ اس کے نتیجے میں حسب منشا کسی بھی شے کی مقداروں میں کیا ردّ و بدل کیا جا سکتا ہے ـــ ؟

یہ قوانین ہادیٔ برحق، رحمۃ للعالمین حضرت محمدؐ کے معجزات میں ظاہر ہوئے ہیں۔ آپؐ نے آفاقی قوانین اور اسرار و رموز معجزات میں بیان فرمائے ہیں تاکہ علم کو سمجھنے میں نوع آدم کے لئے آسانیاں پیدا ہوں اور آدمی ''انسان'' سے واقف ہو سکے۔

رسول اللہؐ کے معجزات میں پنہاں معین مقداروں کے نظام و عمل، مقداروں میں حکمت اور علوم کے حوالے سے خانوادہ سلسلہ عظیمیہ ـــ عظیمی صاحب نے شہرۂ آفاق کتاب ''محمد رسول اللہؐ (جلد دوم)'' تحریر فرمائی۔ معجزات رسولؐ کی روحانی و سائنسی توجیہ پر مشتمل یہ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے اور سالکینِ طریقت کے لئے روحانی علوم کا خزانہ ہے۔ جلد دوم کے ایک باب ''باطل مٹ گیا'' کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے،

''مکہ فتح ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کے ساتھ خانہ کعبہ میں حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف کیا۔ خانہ کعبہ میں 360 بت نصب تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت پڑھی۔

ترجمہ: حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل کو مٹ جانا ہی تھا۔

یہ آیت پڑھتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہاتھ

میں پکڑی ہوئی لکڑی سے جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ منہ کے بل گر جاتا تھا۔"

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس باب کا مکمل مطالعہ فرمائیں۔ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ اس معجزے کی روحانی سائنس بیان فرماتے ہیں کہ

"موالید ثلاثہ یعنی مادی عناصر سے بننے والی مخلوق مرکب لہروں کی مخلوق ہے لیکن ہر مخلوق کی بنیاد اور حرکت مفرد لہر ہے۔ اگر مفرد لہر نہیں ہوگی تو مرکب لہر نہیں ہوگی۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تخلیقِ کائنات کے رازداں ہیں۔ اسرارِ کُن فیکون کے فارمولوں کے ماہر ہیں۔ جب آپؐ نے 'حق آ گیا اور باطل مٹ گیا' پڑھ کر چھڑی سے بتوں کی طرف اشارہ کیا تو مفرد اور مرکب دونوں لہروں کا نظام ٹوٹ گیا اور بت اوندھے منہ گر کر ریزہ ریزہ ہوگئے۔"

اس اقتباس میں "مفرد اور مرکب" اور "لہروں کا نظام" کے الفاظ تفکر طلب ہیں۔ مفرد اور مرکب لہریں کیا ہیں، کون سی ہیں اور کہاں پر ہیں؟

مفرد لہریں: جس طرح کسی مادی عنصر میں موجود تمام ایٹم ایک قسم کی مقداروں (ایٹمی نمبر + ایٹم میں مقدارِ مادہ) پر مشتمل ہیں اسی طرح مفرد لہروں کی کسی بھی خاص قسم میں موجود تمام لہریں ایک جیسی مقداروں سے تخلیق پاتی ہیں۔ یہ ایک جیسی مقداریں طول موج، فریکوئنسی اور سفر کرنے کی سمت ہیں۔ لیکن جو مقدار مفرد لہروں کو مفرد بناتی ہے وہ لہر کا اکہرا پن ہے۔ یعنی مفرد لہریں اپنی حرکت کے دوران ایک دوسرے میں ذرّہ بھر پیوست نہیں ہوتیں بلکہ ایک دوسرے کے متوازی کچھ نہ کچھ فاصلے (خواہ کتنا کم کیوں نہ ہو) پر الگ الگ رہتی ہیں۔ کپڑا تانے اور بانے پر مشتمل دھاگوں سے بنتا ہے۔ محض تانا (لمبائی کا رخ) اکہرا رخ کہلائے گا۔

یہ اکہرے رخ کی مادی مثال ہے۔

موجودہ تحقیق (سائنس) ابھی تک اکہرے رخ پر مشتمل لہروں کو دریافت نہیں کر سکی۔ مثلاً برقی مقناطیسی لہروں میں محققین دونوں کو لازم قرار دیتے ہیں۔ محض برقی یا پھر مقناطیسی لہروں کا وجود موجودہ تحقیق کے نظریات و تجربات کی حدود میں ابھی تک معما ہے۔

غیر جانب دار تفکر رائے دینے میں حق بجانب ہے کہ جب برقی اور مقناطیسی قوتیں ایک دوسرے کے بغیر الگ الگ وجود رکھتی ہیں تو ان قوتوں کی الگ الگ لہروں کا وجود عین ممکن ہے۔

روحانی ماہرین عملی اور مشاہداتی سطح پر اکہری یا مفرد لہروں کو نہ صرف واضح کرتے ہیں بلکہ ان کے میکانزم سے بھی متعارف کراتے ہیں۔

مرکب لہریں: دو یا دو سے زیادہ مفرد (اکہری) لہریں آمنے سامنے تانے بانے (90 ڈگری) کی صورت میں پیوست ہو کر مرکب لہریں بنتی ہیں۔

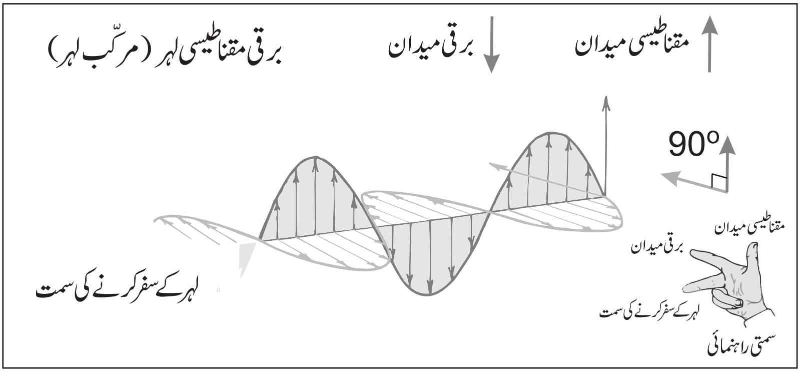

ان کی واضح مثال برقی مقناطیسی لہریں ہیں۔

یہ لہریں کس طرح مرکب ہیں — ؟ برقی + مقناطیسی سے واضح ہے کہ یہ دو قوتوں برقی اور مقناطیسی حلقاتِ اثر (الیکٹرک فیلڈ + میگنیٹک فیلڈ) کا مرکب ہیں۔

جس طرح مقناطیس کے گرد خلا میں ایک حد تک مقناطیسی قوت کا اثر موجود ہوتا ہے اسی طرح برقی چارج (منفی یا مثبت) کے گرد خلا میں ایک حد تک برقی قوت کا اثر موجود ہوتا ہے۔ برقی یا مقناطیسی قوتوں کے اثر کی ان کے منبع کے گرد موجودگی بالترتیب برقی حلقۂ اثر یا مقناطیسی حلقۂ اثر کہلاتی ہیں۔ اگر برقی چارج ارتعاشی یا کسی بھی قسم کی حرکت کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے گرد برقی حلقۂ اثر بھی حرکت کرتا ہے اور مقناطیسی قوت کا حلقۂ اثر پیدا کرتا ہے۔ برقی اور مقناطیسی قوت کے حلقاتِ اثر ایک دوسرے میں 90 ڈگری کے زاویے میں پیوست ہو کر لہر کی صورت میں روشنی کی رفتار سے سفر کرتے ہیں۔ اس کو برقی مقناطیسی لہر کہتے ہیں۔

برقی چارج کے بجائے مقناطیسی قوت کا حامل ذرّہ حرکت پذیر ہو تو بھی یہی صورت پیدا ہوتی ہے۔ موجودہ سائنس کے مطابق متحرک برقی قوت — مقناطیسی اور متحرک مقناطیسی قوت — برقی قوت پیدا کرتی ہے۔ اس عمل سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ برقی اور مقناطیسی قوتوں کی اصل ایک ہے۔ جیسے جیسے لہر آگے بڑھتی ہے برقی اور مقناطیسی قوتیں تسلسل سے ایک دوسرے کو پیدا کرتی اور قائم رکھتی ہیں اور لہر کی توانائی ان کے حلقاتِ اثر میں محفوظ رہتی ہے۔

سوال: لہر کو مسلسل حرکت کے لئے توانائی درکار ہے۔ اگر توانائی خرچ ہونے کے بجائے لہر میں محفوظ رہتی ہے تو لہر کی حرکت کا سورس کیا ہے؟

محققین کی آراء اس حوالے سے کافی حد تک مفروضات پر انحصار اس لئے کرتی ہیں کہ انہیں کائنات میں موجود طبعی بنیادی قوتوں کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوسکا۔ روحانی سائنس کی راہ نمائی کے بغیر مفروضات سے نجات ممکن نہیں لیکن ابھی تک لہر سے متعلق جو طبعی

اور ریاضیاتی تحقیق سامنے آئی ہیں وہ بلاشبہ اپنی جگہ کارنامہ ہے۔

مثال: ٹھہرے ہوئے پانی میں چھڑی کے سرے کو آگے پیچھے حرکت دی جائے تو پانی میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ لہریں پانی کے مادی میڈیم کے ذریعے سفر کرتی ہیں۔ اب اسی چھڑی کے سرے کو کسی طرح مثبت یا منفی چارج دے کر ہوا یا خلا میں آگے پیچھے ہلایا جائے تو برقی مقناطیسی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ لہریں روشنی کی رفتار سے سفر کرتی ہیں اور طبیعیات کی رو سے بغیر کسی میڈیم کے سفر کرسکتی ہیں۔

اہم نکتہ: یہ بھی تو ممکن ہے کہ برقی مقناطیسی لہریں بھی کسی نہ کسی واسطے سے سفر کرتی ہوں اور وہ واسطہ ابھی تک دریافت نہ ہوسکا ہو ــــــ؟

شے کی ماہیت میں تصرف کے لئے مفرد اور مرکب لہروں کا علم اور مرکب لہروں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا ضروری ہے۔

ہر فرد میں برقی اور مقناطیسی لہریں کام کرتی ہیں۔ برقی مقناطیسی لہروں کے دو رخ (برقی + مقناطیسی) آپس میں تانے بانے (مرکب) کے انداز میں پیوست ہیں۔ محقق ابھی تک دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دو مفرد لہروں میں تبدیل کرنے پر قادر نہیں ہوسکے۔ وہ اسے ناممکن قرار دیتے ہیں۔

محققین کے مطابق برقی حلقۂ اثر اور مقناطیسی حلقۂ اثر ایک دوسرے سے الگ ہوسکتے ہیں لیکن ایسا لہر کی صورت میں نہیں بلکہ سکون (static) کی حالت میں ممکن ہے۔

یہاں اہم وضاحت ہمارے سامنے ہے۔ مادی شعور اسی شے کا اقرار کرتا ہے جو مرکب لہر (تانا بانا) سے بنی ہو کیوں کہ مادی شعور خود مادے یعنی مرکب لہر سے تخلیق ہوا ہے اس لئے مفرد لہر کے وجود اور اس لہر کی اقسام سے مخلوقات کی تخلیق اور دنیاؤں کا ادراک مادی شعور سے ماوراء ہے۔

قرآن کریم میں جنات کا ذکر ہے جو مفرد لہر کی تخلیق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے تخلیق کیا ہے۔ عبادت کے معنی عرفان ہیں۔ اس آیت کے باطن سے واقف ہونے کے لئے ہمیں اپنی تخلیق پر غور کرکے تلاش کرنا چاہئے کہ خالق اور تخلیق کا رشتہ کس طرح قائم ہے۔

جنات مفرد لہر کی تخلیق ہیں اور نوع آدم مفرد اور مرکب دو لہروں سے تخلیق ہوئی ہے۔ لہٰذا مفرد لہر کا علم ہمارے اندر موجود ہے جس سے واقف ہوکر ہم جنات کی دنیا میں داخل ہوسکتے ہیں۔

آدمی چاہے محقق کیوں نہ ہو، جب تک محض مادی خول پر انحصار کرنے کی سوچ سے باہر نہیں نکلتا، اپنی دنیا سے واقف ہوسکتا ہے نہ دنیا کے خول سے باہر نکل سکتا ہے۔

سرورِ کائناتؐ کے چھڑی کے اشارے سے بتوں کو توڑنے کے معجزے کی جو تشریح عظیمی صاحب نے فرمائی ہے اس سے سمجھنا آسان ہے کہ مرکب لہر کے تانے بانے کو الگ کرنا ممکن ہے اور ان کی ترکیب میں تبدیلی سے شے کی ماہیت میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

حضور پاکؐ نے جیسے ہی چھڑی سے بتوں کی جانب اشارہ فرمایا تو مفرد اور مرکب لہروں کا تانا بانا درہم برہم ہوگیا اور اس تانے بانے پر موجود نقش و نگار (بت) مٹی بن گئے۔

اساسی اور منحصر مقداریں:

مرکب اور مفرد لہروں کے علم سے واقف ہونے کے لئے اساسی اور منحصر مقداروں کا جاننا ضروری ہے۔ علمِ ریاضی کے دامن میں بہت وسعت ہے۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ علمِ ریاضی بعض تجریدی (abstract) نظریات اور نقطہ ہائے نظر کو بھی اس ہی طرح اہمیت دیتا ہے جس طرح مادی نظریات کو دیتا ہے۔

ریاضی کے طلبا مستقل اور متغیر مقداروں کے نظریئے سے واقف ہیں۔ یہ نظریہ بتاتا ہے کہ ایک نظام خواہ کتنی اقسام کی معین مقداروں سے تخلیق ہوا ہو، اسے کم از کم دو بنیادی گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ وہ مقداریں جن کی حیثیت بالکل بنیادی ہے۔

۲۔ وہ مقداریں جو بنیادی مقداروں کی ترکیب سے وجود میں آئی ہیں۔

دوسری قسم کی مقداروں کو ہم کسی نظام یا شے کی صفات کہہ سکتے ہیں۔ چناں چہ بنیادی مقداروں میں کمی بیشی سے شے کی ترکیب بدل جائے گی۔ نتیجے میں شے کی صفات بھی بدل جائیں گی۔ یعنی شے کی صفات شے کو تخلیق کرنے والی بنیادی اور معین مقداروں کی پابند ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بنیادی مقداروں میں تبدیلی کی جائے تو ثانوی مقداریں یا صفات تبدیل ہوجائیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ ثانوی یا منحصر مقداروں میں تبدیلی، بنیادی مقداروں میں ردّ و بدل کے بغیر واقع ہوجائے۔

اس قانون کو سمجھنے کی کئی مثالیں ہیں۔

۱۔ ریسرچ سے یہ معلوم کرنا مقصود ہے کہ لوگ بہت کم روشنی میں کتنا واضح اور تفصیل کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔ کئی لوگوں کو ایسے کم روشن ماحول میں اکٹھا کیا جاتا ہے (جیسا کہ چاندنی رات)۔ روشنی کی مقدار سب لوگوں کے لئے یکساں ہے چناں چہ یہ بنیادی مقدار ہے۔ ہر فرد کی بینائی اور مشاہدہ دوسرے افراد سے مختلف ہے اس لئے یہ ثانوی مقدار ہے۔ بنیادی مقدار میں تبدیلی واقع ہوجائے مثلاً چاند کے بجائے سورج کی روشنی ہو جائے تو افراد کے مشاہدات کی مقداریں بھی تبدیل ہوجائیں گی۔ اگر اندھیرا کردیا جائے تو لوگوں کے مشاہدات صفر ہوسکتے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر مریض کو ہدایت کرتا ہے کہ جتنا وہ پیدل چلے گا اس کی صحت میں بہتری آئے گی۔ پیدل چلنا

بنیادی مقدار ہے اور اس چلنے میں کمی بیشی سے صحت کا متاثر ہونا ثانوی مقدار ہے۔

۳۔ گوشت ابالنے کا دورانیہ جتنا ہوگا اسی مناسبت سے گوشت گلے گا۔ ابالنے کے لئے حرارت کی فراہمی "بنیادی مقدار" ہے اور نتیجے میں گوشت کی مقداروں میں تغیر ثانوی مقدار ہے۔ حرارت کے بغیر گوشت کی مقداروں میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

وضاحت ہوتی ہے کہ اگر کوئی نظام بنیادی اور ثانوی مقداروں سے تخلیق پاتا ہے تو بنیادی مقداروں میں کمی بیشی سے شے کی ماہیت بدل جاتی ہے۔

باعث تخلیق کائنات، اللہ کے محبوب حضرت محمدؐ کائناتی فارمولوں کی مقداروں کے امین ہیں۔ آپؐ نے اپنے روحانی وارث اولیاء اللہ کو ان مقداروں کا علم سکھایا ہے۔ یہ ہستیاں خلق خدا کو ان علوم کی طرف متوجہ کر کے اللہ اور رسولؐ کے قریب لاتی ہیں۔

مادی عناصر سے بنی مخلوق مفرد اور مرکب لہروں سے بنی ہے اور مفرد لہر کی حیثیت بنیادی مقدار کی ہے جب کہ مرکب لہریں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ رسول اکرمؐ نے ان لہروں میں تصرف فرمایا تو بتوں کا وجود مٹی ہوگیا۔

آج اور آئندہ کا محقق غیر جانب دار ذہن سے معجزات نبویؐ میں تفکر کرے تو تحقیق کا علم مرکب لہر کی حدود سے نکل کر مفرد لہر کے زون میں داخل ہوسکتا ہے۔ مفرد لہروں کے علم کی بنا پر نوع آدم کائنات میں اپنے اصل مقام پر فائز ہوسکتی ہے۔

★ قارئین ! اس مضمون پر تفکر کیجئے۔ یہ مضمون آئینے کے قائم مقام ہے۔ آئینے نے کیا بتایا، اس سے ادارے کو مطلع فرمائیں، شکریہ۔

کاسمک ریز کا سورس کیا ہے ـــ؟

ہر وجود کے اوپر روشنیوں سے بنا ہوا مرکب یا مفرد ایک جال ہوتا ہے۔ موت واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روشنیوں کا غلاف (جسم مثالی) مادی وجود سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتا ہے۔ ہر وجود پر ایک اور وجود غالب رہتا ہے اور اس غالب جسم کو روشنی یا نور (cosmic rays) فیڈ کرتا ہے۔ محقق (سائنس دان) ابھی تک اس کا ادراک نہیں کر سکے کہ کاسمک ریز کا سورس کیا ہے۔ ہم جب کسی چیز کے بارے میں علم حاصل کرتے ہیں تو ایجاد عمل میں آجاتی ہے۔ روشنیوں کا غلاف کیا ہے؟ اس کا علم حاصل ہونے کے بعد اللہ کے عطا کردہ اختیارات سے جسم مثالی کو دوبارہ مردہ شے پر غالب کیا جا سکتا ہے۔ آدمی یا کوئی بھی مخلوق مرتی ہے تو قانون کے مطابق مادی جسم کے اوپر روشنیوں کے مرکب جال میں نور کا پھیلاؤ مادی وجود پر نہیں رہتا۔ نتیجے میں مادی جسم میں زندگی باقی نہیں رہتی۔ (محمد رسول اللہؐ جلد سوم)

زاہدہ تبسم

حرکت میں برکت ہے

جن راستوں پر یہ ریس ہوتی اور جس مقام پر آپؐ وہاں تشریف فرما ہوتے وہاں ایک مسجد قائم کی گئی جو اس دور کی وجہ سے ''مسجد السبق'' یعنی دوڑ والی مسجد کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

مکہ کے ایک نوجوان، خوش حال اور مال دار صحابی جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو خالی ہاتھ تھے۔ عہد اخوت کے رشتے سے ایک انصاری صحابی سے رشتہ قائم ہوگیا۔ انہوں نے اپنا آدھا مال دینے کی پیشکش کی۔ نوجوان مکی صحابی نے فرمایا، اللہ تمہارے اہل اور مال میں برکت عطا فرمائے۔ یہاں بازار کدھر ہے؟

بتائے گئے مقام پر پہنچے اور انصاری بھائی کے ساتھ تجارت میں ہاتھ بٹایا۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں اتنی برکت دی کہ ان کے اونٹ مالِ تجارت لے کر دوسرے خطوں میں جاتے اور وہاں سے مال لے کر مدینہ آتے تھے۔

مکی نوجوان صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ایثار پسند انصاری صحابی سعد بن ربیعؓ تھے۔

پیغمبر اسلامؐ نے انصار سے فرمایا کہ مسلمانوں میں کسی ایک کے ساتھ ''عہدِ اخوت'' باندھ لیں، انہیں اپنے گھروں میں جگہ دیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر معاش کا کام کریں۔ مکہ سے آنے والے ایک سو چھیاسی مسلمان مدینہ منورہ کے انصاری صاحبان کے ساتھ اس عہد سے منسلک ہوگئے اور ان کے گھر میں پناہ لی۔

سید العالمینؐ کی بے مثال تربیت کا اثر تھا کہ صحابہ کرام تن آسانی کے بجائے محنت کو ترجیح دیتے تھے لٰہذا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے صحابہ نے انصار بھائیوں کے ساتھ مل کر کام کیا۔

حضرت محمدؐ کے چاہنے والے سیرت طیبہ کو مقدم رکھتے ہیں۔ وہ معمولاتِ زندگی میں نظم وضبط کے ساتھ صحت اور وقت کی قدر کرتے ہیں۔

کامیاب لوگ باخبر ہیں کہ اچھی صحت کا راز مثبت سوچ اور جسمانی محنت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مضبوط اور فلاح کے راستے پر دیکھنا چاہتے ہیں لٰہذا اللہ کو حرکت میں رہنے والے لوگ پسند ہیں۔

الٰہی مشن کی بے انتہا مصروفیات کے باوجود آپؐ اہلِ خانہ کو بھی وقت دیتے۔ مختلف کاموں میں ان کے ساتھ تعاون فرماتے۔ نبی کریمؐ نے نبوت سے پہلے اور

نبوت کے بعد سادہ زندگی بسر کی اور اپنا کام خود کرنے کو ترجیح دی۔ ازواج مطہرات کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ رسول اللہؐ کا اپنے گھر کے افراد کے ساتھ انسیت اور دوستی کا مضبوط تعلق تھا۔

حیات طیبہؐ کا مطالعہ فہم عطا کرتا ہے کہ مومن حرکت میں رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی نشست و برخاست اور قول و فعل میں یقین اور لگن نظر آتی ہے۔

سرور دو عالمؐ کا ارشاد گرامی ہے،

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔ مجھے کاہلی اور سستی سے محفوظ رکھ۔''

حضرت ابن عبیدؓ سے روایت ہے،

''رسول اللہؐ ہمیں زیادہ آرام کرنے سے منع فرماتے تھے۔''

حضور پاکؐ نے مسجد نبویؐ کی تعمیر میں صحابہ کرام کے ساتھ بنفسِ نفیس کام کیا۔ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی کے دوران صحابہ کرام کسی کام میں عاجز ہو جاتے تو آپؐ مدد فرماتے۔ ایک سخت چٹان ٹوٹ نہ سکی تو حضورؐ پاک آگے بڑھے، تین ضربیں لگائیں اور چٹان ٹوٹ گئی۔

بہترین سپہ سالار کے لئے مضبوط جسم کا ہونا اور مشقت و برداشت درکار ہے۔ کئی مواقع پر رسول اللہؐ کی مثالی جرأت اور بہادری نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو سختی میں مبتلا کر کے اپنے لئے آرام پسند فرمایا ہو۔

سرور کونینؐ فرماتے تھے،

''جتنا عمل تم کر سکتے ہو، اسے کرلو۔''

صحت مند رہنے کے لئے دور جوانی میں خاص طور پر ایسی سرگرمیوں سے منسلک رہنے کی ضرورت ہے جو جسم کو چست اور توانا رکھتی ہیں۔ مختلف قوموں میں اس مقصد کے لئے کھیل اور جسمانی صلاحیت کے اظہار کے مقابلے منعقد کروائے جاتے ہیں۔

جدید طبی سائنس میں بھی روز مرہ معمولات میں جسمانی مشاغل کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ نبی کریمؐ نے نوجوانوں کو مختلف کھیلوں اور ورزشوں کے ذریعے ذہنی و جسمانی صحت کے اصول بتائے ہیں۔

متحرک جسم صحت مند دوران خون رکھتا ہے جس سے دماغ اور جسم کے دیگر حصوں کو بھرپور آکسیجن ملتی ہے اس طرح ذہنی اور جسمانی کارکردگی بہتر ہوتی ہے۔

غیر متحرک جسم تھکاوٹ اور بیماریوں کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اس طرز زندگی کا نفسیاتی اثر یہ ہے کہ فرد ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا مقصد حیات واضح نہیں ہوتا۔ وہ نہیں جانتا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ جسمانی طور پر چست افراد عملی زندگی میں نمایاں کام سرانجام دیتے ہیں۔

نبی کریمؐ کو باغات میں جانا پسند تھا۔ سواری کے لئے گھوڑا پسند فرماتے۔ حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ

''نبیؐ نے فرمایا، تیر چلانا سیکھو۔ گھوڑے پر سوار ہوکر تیراندازی کرنے والے مجھے پسند ہیں۔''

رسول اکرمؐ کے زمانے میں گھڑ دوڑ بہت مقبول تھی۔ معروف اسکالر ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ آپؐ گھڑ دوڑ کے مقابلوں پر خود انعام دیا کرتے تھے۔

تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ گھوڑوں کے لئے الگ مسافتیں مقرر تھیں۔ بچوں اور آدمیوں کی ریس ہوتی تھی۔ خچروں اور اونٹوں کی ریس کے مقابلے ہوتے تھے۔ جن راستوں پر یہ ریس ہوتی اور جس مقام پر آپؐ وہاں تشریف فرما ہوتے وہاں ایک مسجد قائم کی گئی جو اس دور کی وجہ سے ''مسجد السبق''، یعنی دوڑ والی مسجد کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

عہد نبویؐ میں پہلوانی، ویٹ لفٹنگ اور وزنی پتھر اٹھانے کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک مشہور پہلوان ''رکانہ'' نے آپؐ کو چیلنج کیا۔ یہ پہلوان اپنے فن میں یکتا تھا مگر آپؐ نے اسے زیر کر دیا۔ حضور پاکؐ کے بچپن کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے کم عمری میں اپنے ننھیال میں قیام کے دوران تیراکی سیکھی تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ دو حبشیوں کا مقابلہ ہو رہا تھا تو آپؐ نے وہ مقابلہ بی بی عائشہؓ کو دکھایا۔

سید المرسلینؐ کی تعلیمات کے مطابق کام میں لگن مومن کا شیوہ اور طرز زندگی ہے۔ صبح جلدی بیدار ہونا، ذکر صلوٰۃ اور تفکر میں مشغول رہنا، چہل قدمی اور ہلکی پھلکی ورزش نایاب عادات ہیں جو فرد کو منظّم بناتی ہیں اور کامیاب کرتی ہیں۔ آپؐ نے دعا فرمائی،

''اے اللہ! میری امت کے لئے دن کے ابتدائی حصے میں برکت دے۔''

ابھرتے سورج کی صحت افزا روشنی ذہن اور جسم کو سیراب کرتی ہے۔ اعلیٰ اور ارفع مقاصد رکھنے والا فرد کبھی کاہلی کے ساتھ دن کا آغاز نہیں کرتا۔

★ پیدل چلنا ایسی ورزش ہے جس سے جسم کے تمام جوڑ، اعصاب، اعضا اور کھربوں خلیات حرکت میں رہتے ہیں۔

★ چہل قدمی کرنے سے نظام ہضم بہتر ہوتا ہے، پُرسکون نیند آتی ہے اور جسم میں فاسد مادے جمع نہیں ہوتے۔

★ چہل قدمی سے جوڑوں میں لچک پیدا ہوتی ہے، وزن توازن میں رہتا ہے۔ نیز چہل قدمی اعصابی تناؤ دور کرنے کے لئے بہترین دوا ہے۔

★ جسمانی محنت کسی بھی نوعیت کی ہو اس سے خون میں ایسے اجزا پیدا ہوتے ہیں جن سے کولیسٹرول کی سطح کم ہوتی ہے اور ایک کیمیکل بنتا ہے جو شریانوں میں گٹھلی بننے کے عمل کو روکتا ہے۔ نیز فالج کے خطرات کم ہو جاتے ہیں۔

★ ماہرین نے شکم سے لے کر پیروں تک عضلات کو بطور استعارہ مددگار قلب یا قلب نمبر 2 کا نام دیا ہے۔ یہ دوسرا دل چہل قدمی کے دوران خون کو دل کی طرف

واپس بھیجتا ہے، اس طرح دل پر اضافی بوجھ نہیں پڑتا۔

★ عموماً چالیس سال کی عمر کے بعد دل میں خون کی اضافی رگیں بنتی ہیں۔ سانس تیز کرنے والی ورزش اور چہل قدمی سے یہ عمل وقت سے پہلے ہو جاتا ہے۔

★ کھیل اور دیگر جسمانی سرگرمیاں بھی دوران خون کو تیز کرتی ہیں، جگر کی اضافی چربی پگھلتی ہے۔ ٹشوز کی مرمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

★ ورزش کے دوران پسینا آنے سے غیر ضروری مادوں کا اخراج ہوتا ہے اور جلد میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ تیز دوران خون کی وجہ سے ہر خلیہ اور عضو تک ضروری مالیکیولز اور توانائی کی فراہمی ممکن ہوتی ہے۔

روح، جسم اور ذہن کی ہم آہنگی کا نام صحت مند زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو صحت مند اور متحرک زندگی پسند ہے اس لئے اس سلسلے میں کوشش کرنا عبادت اور شکر ہے۔ جسمانی طور پر صحت مند فرد یک سوئی کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوتا ہے۔

تمام مخلوقات فطرت کے مطابق زندگی گزارتی ہیں۔ ان کے نظام الاوقات ہیں جس کی وہ پابندی کرتی ہیں۔ جب کہ آدمی فطرت کے برعکس زندگی گزارتا ہے۔

سیرت طیبہؐ کا پیغام ہے کہ انسان، حیوانات سے ممتاز زندگی بسر کرے۔ افسوس ہے کہ کائنات کے اہم رکن نوع آدم کے کندھے ڈھلکے ہوئے ہوتے ہیں، چہرہ رونق سے عاری اور جسم کم زور ہوتا ہے، بال بے ترتیب اور چال میں وقار نہیں ہوتا۔ دوسری مخلوقات کو دیکھیں — چاند، سورج، ستارے، آسمان، زمین، پہاڑ، پرندے اور حیوانات سب نے نظام فطرت پر عمل کر کے اپنے وقار کو قائم رکھا ہے۔ شخصیت کے رکھ رکھاؤ کا تعلق امارت یا قیمتی پوشاک سے نہیں، صفائی اور صحت مند زندگی سے ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی ہدایت موجود ہے کہ اللہ کا فضل تلاش کیا جائے۔ تلاش حرکت ہے۔ اللہ کے فضل سے مراد وسائل ہیں جو دنیاوی ہیں اور روحانی بھی۔ مخلوق جسمانی و روحانی تقاضوں کا مجموعہ ہے اور دونوں کی تسکین کے لئے حرکت لازمی ہے اور حرکت میں توازن ضروری ہے۔

تربیت

شاگرد نے استاد سے پوچھا، تربیت میں آنکھوں کا کیا عمل دخل ہے۔ ان آنکھوں کا کیا کروں؟

استاد نے کہا، انہیں راستے پر مرکوز رکھو۔

شاگرد نے بے ساختہ کہا، اور جذبات کا کیا کروں؟

استاد نے بے نیازی سے کہا، انہیں سلگنے دو۔

اور دل بھی تو ہے۔ دل کا کیا کروں؟

استاد نے پوچھا، یہ بتاؤ، تمہارے دل میں کیا ہے؟

شاگرد نے کہا، درد و غم سے بھرا ہوا ہے۔

استاد نے کہا، ان کو دل میں رہنے دو۔ روشنی وہیں سے داخل ہوتی ہے جہاں چوٹ لگتی ہے۔

تالیف: قرۃ العین واسطی

لاکھ آزادیاں اک تیری غلامی پر نثار

بیٹے کو باپ کی حالتِ زار کی خبر دی اور ساتھ چلنے کو کہا لیکن ـــ زیدؓ اب وہ زیدؓ نہیں تھے۔ وہ عشقِ رسولؐ میں اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں ماں باپ اور عزیز و اقارب کی محبت ثانوی ہو جاتی ہے۔

ملک یمن کے ایک معزز قبیلہ بنو قضاعہ (بنو کلب) کے رئیس حارثہ بن شراحیل اور ان کی اہلیہ سعدی بنت ثعلبہ کے تین بچے تھے۔ بیٹی کا نام اسماء جب کہ بیٹوں کا جبلہ اور زید تھا۔ نیک سیرت ماں باپ کی اولاد بھی پاکیزہ سیرت تھی۔ دن ہنسی خوشی گزر رہے تھے کہ زندگی کی کشتی دریا کی تیز موجوں میں آگئی۔

سعدی بن ثعلبہ ایک بار آٹھ سالہ زید کے ہمراہ والدین سے ملنے گئیں۔ ان کے قیام کے دوران قبیلے پر دشمن قبیلے نے حملہ کر دیا۔ گھروں میں لوٹ مار کی اور نوعمر زید کو ساتھ لے گئے۔ بیٹے کے اغوا کی خبر حارثہ بن شراحیل پر پہاڑ بن کر ٹوٹی۔ ماں باپ کی دنیا اندھیر ہوگئی۔ باپ نے کہاں تلاش نہیں کیا۔ شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں زید پکارا لیکن آواز بازگشت نہیں بنی۔

بیٹے کے غم میں حارثہ بن شراحیل شکستہ دلی سے بادِ صبا، چرند پرند، شجر و حجر سب سے التجا کرتا کہ میرے بچے کی خبر لادو۔ اس کے نوحے مشہور ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ فرزند کی جدائی میں جب وہ یہ نوحہ پڑھتا تو دشمن بھی غم زدہ ہو جاتے تھے۔ ترجمہ:

''میں زید کو یاد کر کے رویا۔ مجھے نہیں معلوم وہ کیسا ہے اور کہاں ہے۔ معلوم نہیں وہ زندہ ہے کہ امید کا دیا روشن رکھوں یا اس نے جام اجل پی لیا ہے۔

بخدا میں بار بار پوچھتا ہوں پھر بھی نہیں جانتا کہ تو نرم زمین کی پہنائیوں میں غرق ہو گیا یا تجھے پہاڑ نگل گیا۔

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری واپسی کبھی ممکن ہے تیری واپسی سے میری دنیا آباد ہو جائے گی۔

طلوعِ شمس مجھے اس کی یاد دلاتا ہے اور غروب آفتاب پھر اس کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔

ہوا کے جھونکے فراق کی آگ کو بھڑکا دیتے ہیں۔

آہ! میں کس قدر رنج و الم میں مبتلا ہوں۔

اے فرزند! تیری تلاش میں دنیا کا کونا کونا چھان لوں گا اور اس جستجو سے عمر بھر نہ تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے یا مجھ پر موت وارد ہو جائے۔

ہر انسان فانی ہے اگرچہ سرابِ امید نے اسے دھوکا دے رکھا ہے۔''

کچھ عرصے بعد زید کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔

سینکڑوں لیل ونہار زید کی جدائی میں گزر گئے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ حارثہ بن شراحیل کے گم شدہ بچے کے لئے قدرت نے جو مرتبہ مقرر کیا، جن وانس اس کی تمنا کرتے ہیں۔

رہزن آٹھ سالہ زید بن حارثہ کو اغوا کر کے مکہ کے اطراف میں عکاظ کے بازار لائے جہاں بی بی خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انہیں چار سو درہم میں خریدا اور مکہ آ کر پھوپھی کی نذر کیا۔

حضور پاکؐ کا بی بی خدیجہؓ سے نکاح ہوا تو زید کو ان کے پاس دیکھا۔نوجوان لڑکے کی عادات پسند آئیں اور اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔اس طرح کم سنی میں اپنی ماں سے جدا ہونے والے بچے کو قدرت ایک ایسی ''ماں'' کے در پر لے آئی جو تمام جہانوں اور مخلوقات کے لئے رحمت ہیں۔حضور پاکؐ کی شفقت میں آ کر بچے کا اقبال بلند ہو گیا۔کیا ایسے غلام کی خوش بختی کا اندازہ ہوسکتا ہے ۔۔۔؟

حضور پاکؐ نے زید بن حارثہؓ کو اپنے بچوں کی طرح رکھا۔خود زیدؓ کو رسول اللہؐ سے ایسی محبت ہوئی کہ تا عمر وفادار رہے اور زندگی ان پر نثار کر دی۔

وقت گزرا ۔۔۔ دن مہینے اور مہینے سالوں میں بدل گئے ۔ نبی کریمؐ کی شفقت میں زیدؓ مکہ میں خوش اور آسودہ جب کہ باپ اپنے وطن میں اس کی راہ تک رہا تھا۔ کیوں کہ مرے ہوئے کے لئے چین آجاتا ہے، کھوئے ہوئے کے لئے نہیں آتا!

اب وقت آ پہنچا تھا کہ زیدؓ کی اپنے خاندان سے ملاقات ہو۔ ہوا یہ کہ ایک عرصے بعد بنو قضاعہ کے چند لوگ حج کے لئے مکہ آئے۔جیسا کہ مضمون میں ذکر کیا گیا ہے کہ بیٹے کی جدائی میں حارثہ بن شراحیل کے نوحے زبان زدعام ہو گئے تھے۔لہٰذا مکہ میں قیام کے دوران یہ لوگ ایک دن حارثہ بن شراحیل کا ایک نوحہ پڑھ رہے تھے۔تقدیر نے یہ انتظام کیا کہ اس وقت زیدؓ کو اس مقام پر لے آئی جہاں یہ لوگ موجود تھے۔ زیدؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو بنو قضاعہ کے لوگ ٹھٹک گئے۔فوراً پہچان لیا کہ یہ حارثہ کا بیٹا ہے۔

نام اور حالات دریافت کرنے پر تصدیق ہو گئی۔ انہوں نے بیٹے کو باپ کی حالتِ زار کی خبر دی اور ساتھ چلنے کو کہا لیکن ۔۔۔ زیدؓ اب وہ زیدؓ نہیں تھے۔ وہ عشقِ رسولؐ میں اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں ماں باپ اور عزیز و اقارب کی محبت ثانوی ہو جاتی ہے۔

زیدؓ نے بنو قضاعہ کے حاجیوں سے کہا،

''میرے غم زدہ خاندان کو پیغام پہنچا دینا کہ میں ان سے دور ہوں لیکن اپنی قوم سے محبت کرتا ہوں، میں خانہ کعبہ میں مشعر الحرام کے قریب رہتا ہوں۔اس غم کو بھول جاؤ جس نے تمہیں رنجیدہ کر رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔اللہ کا شکر ہے کہ میں بہترین خاندان میں زندگی گزار رہا

ہوں۔ معد بن عدنان کے شرفا میں رہتا ہوں جن میں ایک کے بعد دوسرا سردار ہوتا آیا ہے۔''

حاجیوں نے واپس جا کر قبیلے کے رئیس حارثہ بن شراحیل کو بیٹے کی خبر دی اور اس کا پیغام دیا تو مایوس باپ کی خوشی دیدنی تھی۔ اپنے بھائی کعب اور دوسرے بیٹے کو لے کر فوراً مکہ روانہ ہوا۔

جب بیٹے کی جدائی میں غم سے بے حال باپ سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو برسوں کا غم آنکھوں میں سمٹ آیا اور اشکِ رواں بارش بن گئی۔

سسکیاں بھرتے ہوئے عرض کیا،

''اے صاحب قریش ! اے ابن عبدالمطلب ! اے حرم کے متولی! اے غریبوں کے والی! اے مصیبت زدہ لوگوں کے دست گیر! میں سخت مصیبت میں ہوں۔ اللہ کے لئے میرے لخت جگر کو مجھ سے ملا دیں اور اسے ساتھ لے جانے کی اجازت دیں۔ اس کی آزادی کے لئے اپنی ساری دولت دینے کو تیار ہوں۔''

رحمۃ للعالمین حضرت محمدؐ نے غم زدہ باپ کو تسلی دی اور پوچھا، تمہارا لخت جگر کون ہے؟

حارثہ بن شراحیل نے عرض کیا، زید۔

شفیق و کریم حضور پاکؐ نے فرمایا،

''جو زید پسند کرے مجھے منظور ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ میں کوئی فدیہ لئے بغیر اس کو تمہارے حوالے کردوں گا اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے تو میں ایسا نہیں کہ اسے زبردستی خود سے جدا کروں۔''

زید بن حارثہؓ کو بلایا گیا۔ انہوں نے اپنے والد، چچا اور بھائی کو پہچان لیا لیکن محبت و عقیدت دیکھئے کہ حضورؐ کے ادب میں ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

حضورؐ نے پوچھا، زید جانتے ہو یہ کون لوگ ہیں؟

عرض کیا، میرے والد، چچا اور یہ میرا بھائی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا، اٹھو اور ان سے ملو۔

حکم ملتے ہی زیدؓ اٹھے اور سب سے ملے۔ درد و غم سے بدحال باپ لخت جگر کو سینے سے لگا کر اس قدر رویا کہ ہر آنکھ اشکبار ہوگئی۔

پھر حضورؐ نے فرمایا، زید یہ تمہیں لینے آئے ہیں۔ میری طرف سے پورا اختیار ہے کہ ان کے ساتھ جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔

حضرت زید بن حارثہؓ نے عرض کیا،

''میرے آقاؐ! آپ کی ذات گرامی پر میں کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ مجھے خود سے جدا مت کیجئے۔''

یہ سن کر حارثہ بن شراحیل ششدر رہ گیا اور کہا، افسوس ہے زید کہ تم نے آزادی، خاندان اور وطن پر غلامی کو ترجیح دی۔ زیدؓ نے جواب دیا،

''میرے آقاؐ مجھ پر جس قدر مہربان ہیں، حقیقی والدین بھی اپنی اولاد کے حق میں اتنے رحیم و شفیق نہیں ہوتے۔ اس لئے میں اپنے آقاؐ کی غلامی کو ہزار آزادیوں پر ترجیح دیتا ہوں۔''

سرور کونین حضرت محمدؐ ــــ زید بن حارثہؓ کا جواب

سن کر بے حد مسرور ہوئے اور اسی وقت آزاد کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپؐ ان کا ہاتھ پکڑ کر خانہ کعبہ تشریف لائے اور اہلِ قریش کے سامنے اعلان فرمایا،

''لوگو! گواہ رہنا کہ زید آج سے میرا فرزند ہے۔
میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہے۔''

حضور پاکؐ نے زیدؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا فرمایا تو حارثہ بن شراحیل اور ساتھ آئے چچا اور بھائی بہت متاثر ہوئے اور بخوشی اپنے وطن لوٹ گئے۔

حضرت زید بن حارثہؓ کے جذبۂ عشقِ رسولؐ کو شاعر نے ان الفاظ میں لکھا ہے،

زبدۂ حلقۂ اربابِ وفا حضرت زیدؓ
تھے جو مشہور پسرِ خواندہ شاہ ابرارؐ
متفق ہو کے جنہیں کہتے ہیں سب اہلِ سیر
اولین حلقہ بگوشانِ رسالتؐ میں شمار
ہیں یہی جن کو کیا نام سے قرآن میں یاد
حق نے منجملہ اصحاب رسول مختارؐ
اپنے ماں باپ سے بچپن میں بچھڑ کر اک دن
سر بازار بکے صورتِ یوسف ناچار
لے کے پھر خدمت سلطان دو عالمؐ کے لئے
کردیا نذر خدیجہؓ نے انہیں آخر کار
باپ نے یوسفِ گم گشتہ کی پائی جو خبر
دل کو دم بھر نہ رہا صورت یعقوب قرار
آئے مکہ میں کہا حال شہ والاؐ سے
ہوا ارشاد کہ خود زید ہیں اس میں مختار
آزمائش تھی یہ کچھ ایسی کٹھن جس کے سبب
اک عجب کشمکش صعب میں تھی جان خزار
اک طرف باپ کی کلفت سے بھی خاطر مغموم
اک طرف آپؐ کی الفت سے تھی فطرت سرشار
عقل کہتی تھی کہ راحتِ دنیا منظور
عشق کہتا تھا کہ اس راہ میں راحت ہے عار
عقل کہتی تھی مبارک ہو تجھے مسندِ گل
عشق کہتا تھا گوارا ہے مجھے بسترِ خار
تھام کر دامن سرکارؐ کو آخر یہ کہا
لاکھ آزادیاں اک تیری غلامی پہ نثار

مضمون میں اب تک جو واقعات بیان ہوئے ہیں، یہ رسول کریمؐ کی بعثت سے پہلے کے ہیں۔ رحمت عالمؐ جب منصب نبوت سے سرفراز ہوئے تو ام المومنین بی بی خدیجہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؑ کے ساتھ حضرت زیدؓ کو بھی شرف حاصل ہوا کہ وہ حضورؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔

حضورؐ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ سے زید بن حارثہؓ کا رشتۂ مواخات قائم کیا تھا۔ حضور اکرمؐ سے والہانہ محبت اور ان کے لئے جان قربان کرنے کا جذبہ زید بن حارثہؓ کی حیات تھا۔ حالات کٹھن رہے یا آسان، زید اپنے آقاؐ کے ساتھ رہے۔ طائف میں جب آپؐ کو ستایا گیا تو زیدؓ ہمراہ تھے اور آپؐ کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے جسم پر پتھر کھائے — آقاؐ و غلام دونوں زخمی ہوئے۔

حضرت زید بن حارثہؓ کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو جہاد ہے ۔تیر اندازی اور تیغ زنی میں مہارت رکھتے تھے۔ بہادری شخصیت کا خاصا تھی اور راہِ حق میں خود کو قربان کرنے کے جذبے سے سینہ لبریز تھا۔

حضرت زید بن حارثہؓ نے تقریباً سات مہمات میں حصہ لیا۔ آٹھویں صدی ہجری میں سریہ موتہ ہوئی جو لشکر اسلام اور لشکر روم کے درمیان تھی ۔حضرت زید بن حارثہؓ اس کے سپہ سالار مقرر ہوئے ۔

کتاب ''بارانِ رحمتؐ''* میں تحریر ہے،

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بصریٰ کے گورنر کو گرامی نامہ تحریر فرمایا۔گورنر کا نام حارث بن ابی شمر الغسانی تھا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا کہ تم اسلام قبول کرلو۔ یہ گرامی نامہ حضرت حارث بن عمیر الازدیؓ لے کر گئے ۔جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے تو قیصر کے ایک رئیس شرجیل بن عمرو الغسانی نے پوچھا: آپ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ کیا آپ محمدؐ کے قاصد ہیں؟ حضرت حارثؓ نے فرمایا: ہاں میں رسول اللّٰہ کا قاصد ہوں ۔ یہ سنتے ہی اس نے حضرت حارثؓ کو رسیوں سے باندھ دیا اور پھر ان کا سر قلم کر دیا ۔اس زمانے میں قاصد یا سفیر کا قتل بدترین اور ناقابل معافی جرم تھا ۔اس سے قبل کسی نے بھی سفیر کو کبھی قتل نہیں کیا تھا۔ یہ جرم اعلانِ جنگ سمجھا جاتا تھا۔آج بھی اسے سنگین جرم سمجھا جاتا ہے۔

جب یہ الم ناک خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنی تو انہیں بہت دکھ ہوا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے شہید صحابی کا انتقام لینے کے لئے تیاری شروع کر دی ۔مسلمان مدینہ طیبہ سے تین میل دور جرف کے مقام پر جمع ہوئے ۔سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف لائے اور ظہر کی نماز قائم کی ۔نماز کے بعد صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا:

اس لشکر کا سپہ سالار زیدؓ بن حارثہ کو مقرر کرتا ہوں اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ اس لشکر کی کمان سنبھالیں گے ۔ اگر جعفرؓ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ مجاہدین سپہ سالار ہوں گے اور اگر یہ بھی راہ حق میں شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں امیر منتخب کرلیں ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے حضرت زیدؓ کو علم عطا فرمایا۔علم سفید رنگ کا تھا۔ آپؐ نے تاکید فرمائی:

سب سے پہلے حارث بن عمیرؓ شہید کی قبر پر حاضری دیں اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں تو بہت اچھا ہے اور اگر وہ اسلام کی دعوت قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جنگ کریں ۔

آپؐ نے یہ ہدایت بھی فرمائی:

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نصیحت کرتا ہوں

---

* الحمدللہ ـــــ اللہ کے کرم اور رسول اللّٰہ کی نسبت سے کتاب ''باران رحمتؐ'' بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے ایم اے کے نصاب میں شامل ہے۔

اور جو مسلمان تمہارے ہم سفر ہیں ان کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے منکر لوگوں کے ساتھ جنگ کرو۔ کسی کو دھوکا نہ دینا۔ بددیانتی نہ کرنا۔ کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا۔ کسی بوڑھے کو اور خانقاہوں میں گوشہ نشین رہنے والوں کو قید نہ کرنا۔ کسی درخت کو نقصان نہ پہنچانا اور نہ اس کو کاٹنا اور کسی مکان کو منہدم نہ کرنا۔''

تین ہزار سپاہیوں کی اسلامی فوج موتہ کی طرف روانہ ہوئی۔ اسلامی فوج نے جب مدینہ منورہ سے کوچ کیا تو شرجیل بن عمر الغسانی کو اطلاع مل گئی۔ اس نے ایک لاکھ فوج روانہ کردی۔ اسلامی لشکر بلقاء (شام) پہنچا تو رومی لشکر سے آمنا سامنا ہوا اور جنگ شروع ہوئی۔

علم حضرت زید بن حارثہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ ان کی تلوار موت بن کر دشمنوں کی صفوں پر قیامت برپا کر رہی تھی۔ بالآخر ایک دشمن نے نیزہ ان کے سینے میں اتار دیا اور وہ شہید ہوگئے۔

احادیث میں ہے کہ حضور پاکؐ اس وقت صحابہ کرام کے ہمراہ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ مقام موتہ اور آپؐ کی نظروں کے سامنے کوئی پردہ حائل نہیں تھا۔ نبی کریمؐ نے میدان جنگ کی اس طرح منظر کشی فرمائی،

''اہلِ حق اور رومیوں کے درمیان جنگ شروع ہے۔
زید کفار کے ساتھ لڑ رہے ہیں ـــ اور وہ شہید ہوگئے۔
اب جعفر معرکہ آزما ہیں ـــ وہ بھی شہادت پاگئے۔
اب عبداللہ نے علم اٹھایا ہے ـــ وہ بھی راہِ خدا میں نثار ہوگئے۔''

اپنے جاں نثاروں کی خبر دیتے ہوئے رسول پاکؐ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ بالآخر کمان حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں آئی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

حضرت زید بن حارثہؓ کی صاحبزادی نے باپ کی شہادت کی خبر سنی تو زار و قطار رونے لگی۔

حضور پاکؐ بھی آبدیدہ ہوگئے۔

حضرت سعد بن عبادہؓ نے پوچھا، یارسول اللہؐ! یہ کیا جذبہ ہے کہ آپؐ کی آنکھیں اشکبار ہیں؟

رحمۃ للعالمین حضرت محمدؐ نے فرمایا،

''یہ جذبہ محبت ہے جو ہر محبّ کے دل میں اپنے محبوب کے لئے ہوتا ہے۔''

رسول کریمؐ نے اسلامی لشکر کو جنگ موتہ کے لئے روانہ کرتے ہوئے فرمایا،

''میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نصیحت کرتا ہوں اور جو مسلمان تمہارے ہم سفر ہیں ان کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے منکر لوگوں کے ساتھ جنگ کرو۔ کسی کو دھوکا نہ دینا۔ بددیانتی نہ کرنا۔ کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا۔ کسی بوڑھے کو اور خانقاہوں میں گوشہ نشین رہنے والوں کو قید نہ کرنا۔ کسی درخت کو نقصان نہ پہنچانا اور نہ اس کو کاٹنا اور کسی مکان کو منہدم نہ کرنا۔''

ڈاکٹر نعیم ظفر

پھولنا اور سمٹنا خمیر ہے

یہ دنیا مٹی کے خمیر کا خمار ہے۔ خمیر عناصر سے مرکب ہے اور عناصر نمبروں کی خاص ترکیب ہے جو مختلف حسابی طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ ان میں ایک طریقہ لوگارتھم ہے جسے مشہور مسلم ریاضی دان عبداللہ بن محمد بن موسیٰ خوارزمی نے وضع کیا ہے۔ لوگارتھم سے مقداروں کے پھیلنے اور سمٹنے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس کا سبب خمیر ہے۔ مادی محققین گھٹنے اور بڑھنے سے عمر کی پیمائش کرتے ہیں جب کہ باطنی علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ہر وہ پیمائش جسے آدمی محدود حواس میں محسوس کرتا ہے، فکشن ہے۔ جسم خلیات کا مرکب ہے، ان خلیات کو کیڑے کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیڑوں کو ہم بیکٹیریا کے نام سے جانتے ہیں۔ بیکٹیریا نہ ہو تو خمیر کی دنیا زیر بحث نہیں آئے گی۔ ہر وہ شے جو ہم کھاتے پیتے ہیں اس میں خمیر ہے۔ کیمیا دان خمیری عمل میں کاربن اور کاربن کے مرکبات کو اہم جز قرار دیتے ہیں ــــ اب آگے پڑھئے۔

کوئلے میں کاربن پایا جاتا ہے۔ کوئلے کی کئی اقسام ہیں جن میں سے ایک عام طور پر انگیٹھی میں جلائی جاتی ہے۔ جلنے کے عمل میں آکسیجن معاون ہے۔

کوئلا جتنی شدت سے جلتا ہے اتنا ہی مقدار گھٹتی جاتی ہے حتیٰ کہ یہ راکھ ہوجاتا ہے۔ راکھ میں آکسیجن کی موجودگی کے باوجود چنگاری دکھائی نہیں دیتی۔

نامیاتی کیمیا میں کاربن اور ہائیڈروجن اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کاربن کی مقدار ہائیڈروجن کے ذرّات یاایٹم سے خاص تناسب سے جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ محققین کا کہنا ہے کہ نادیدہ اور نامعلوم اطلاعات کا نظام ہائیڈروجن کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ موصول ہونے والی اطلاعات میں چھپی ہوئی ہدایات اس قدر لطیف یا ہائی فریکوئنسی کی ہوتی ہیں کہ مادی شعور سمجھ نہیں سکتا۔ البتہ کاربن ایسا کیڑا ہے جو ہائیڈروجن سے ٹرانسفارمر کا کام لیتا ہے اور لطیف اطلاعات کے بہاؤ کو اتنا آہستہ کردیتا ہے کہ کاربن ان کو سمجھنا شروع کردیتا ہے، اطلاعات میں سے پیغام اخذ کرتا ہے اور اس کے مطابق خدوخال بناتا ہے۔

اول الذکر اطلاعات میں لطافت زیادہ اور کثافت کم ہوتی ہے۔ جیسے جیسے مادی خدوخال اجاگر ہوتے ہیں، لطافت کم اور کثافت خدوخال واضح ہونے کی مناسبت سے بڑھتی جاتی ہے۔

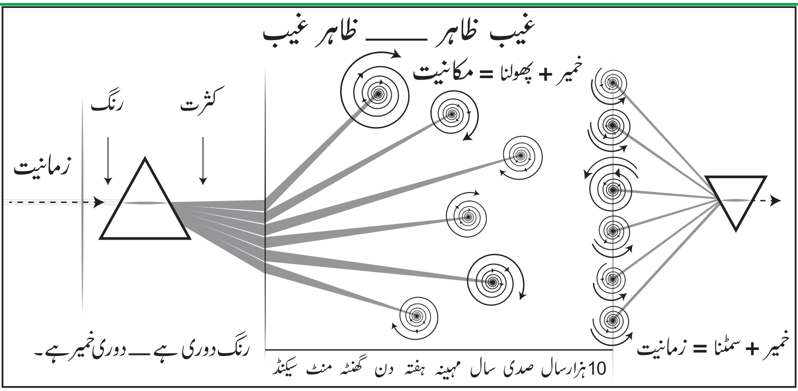

موم بتی کے جلنے کے عمل میں دھاگے اور موم کا جو آمیزہ استعمال ہوتا ہے وہ بھی نامیاتی کیمسٹری ہے اور کاربن اور ہائیڈروجن کے مرکبات ہیں۔ موم گھٹتا ہے تو موم بتی کی زندگی کم ہو جاتی ہے۔ یہی تصور آدمی کی زندگی کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے دانش ور اپنی رائے سے ادارے کو آگاہ کریں۔

تمام اشیا اپنی اسپیس یا مکانیت میں پیدا ہوتی ہیں اور اسی میں ختم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً چیونٹی، گھوڑا، آدمی، دریا، سمندر، ملکی وے وغیرہ سب کی الگ الگ اسپیس ہے۔ دراصل ہر شے اسپیس ہے۔ اسپیس کے اندر تخلیقی بنیاد کا نام کاربن ہے۔ کاربن کہیں سے اطلاعات وصول کرتا ہے اور سمجھ داری سے ان میں چھپے پیغام کے مطابق ڈھل جاتا ہے جسے ہم مظاہرہ کہتے ہیں۔ مظاہرہ اپنی اسپیس میں مظہر بنتا ہے، نمو پاتا ہے اور اسی میں فنا ہو جاتا ہے۔ مظاہر میں ایسی حالتیں شامل ہیں جنہیں ہم اہمیت نہیں دیتے جیسا کہ دن، رات، پہاڑ، میدان، بیماریاں اور جذبات وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''بے شک زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں۔'' (آلِ عمران: ۱۹۰)

آسمان، زمین، رات، دن اور عقل بھی اسپیس ہے۔ دن رات میں جنگل کی اسپیس الگ ہوتی ہے اس لئے رات میں جنگل میں خوف کی اسپیس طاری ہوتی ہے۔

''وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کے لئے بھی چارا پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعے سے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' (النحل: ۱۰۔۱۱)

پانی ایک اسپیس ہے۔ سیرابی بھی اسپیس ہے۔ جانور، کھیتیاں، زیتون، کھجور، انگور الگ الگ اسپیس ہیں۔ آیات میں بیان کی گئی spaces کو الگ صفحے

پر نوٹ کرلیں۔ دو کالم بنائیں۔ پھر ہر دو اسپیس کے مابین تعلق معلوم کریں۔ مثلاً پانی اور جانور یا آسمان اور پانی — اسی طرح دیگر اسپیس۔ جب اسپیس کی نشان دہی ہو جائے تو ان میں عملِ خمیر اور لوگارتھم کی کارفرمائی نوٹ کریں۔ اب اپنے نوٹس کو مضمون میں موجود شکل سے موازنہ کرکے دیکھیں۔

قرآن میں بعض پیچیدہ اسپیس کا ذکر بھی ہے۔

''اور زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔ انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دوہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کمتر۔ ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔'' (الرعد:۴)

کائناتی نظام کی ابتدا اور پھر جنس در جنس پھیلاؤ کے مظاہرے کا ذکر تورات کی کتاب پیدائش میں ہے۔

''خدا نے کہا، زمین، گھاس اور دانوں کو پیدا کرنے والے پودے اور میوے کے درخت لگائے اور میوے کے درخت بیج والا پھل پیدا کرے۔ اور ہر ایک درخت اپنی ہی نسل کا بیج پیدا کرے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ زمین گھاس اور اناج پیدا کرنے والے پودوں کو اگایا اور بیج والے پھل کے درختوں کو اگایا اور ہر ایک درخت نے اپنی اپنی نسل کا بیج پیدا کیا۔'' (باب۔۱، آیت ۱۲-۱۳)

مضمون میں دی گئی آیات پر غور کریں۔

واضح ہوتا ہے کہ آسمان، زمین، زمین کے مختلف قطعات، درخت، پودے، پانی، گھاس، دانے، اناج وغیرہ سب کی اپنی اسپیس ہے۔ ان کے مختلف خدوخال دراصل عملِ خمیر کی مختلف حالتیں ہیں۔

اسی طرح چیونٹی اور وہیل مچھلی کی اسپیس الگ ہے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہیل مچھلی کی چھوٹی سے چھوٹی اسپیس چیونٹی کی بڑی سے بڑی اسپیس سے کس قدر بڑی ہوگی۔ اسپیس زمان سے تخلیق پاتی ہے۔ ذہن میں خیال آئے گا کہ زمان کی بنیاد کیا ہے۔ باعث تخلیق کائنات حضرت محمدؐ کے فرمان پر غور کریں،

''زمانے کو برا نہ کہو، زمانہ اللہ ہے۔''

علمائے باطن کے مطابق قرآن کریم میں شے کے دوہرے تخلیقی رخ یعنی زمان و مکان کا ذکر ہے،

''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں تاکہ تم ان سے سبق لو۔'' (الذٰریٰت:۴۹)

روحانی ماہرین تشریح کرتے ہیں:

''جسے ہم احساس کی شکل میں محسوس کرتے ہیں وہ ظاہری وجود ہے۔ یہ دو مراحل پر مشتمل ہے۔ ایک مرحلے میں ڈائی مینشن مغلوب ہوتی ہے اور دوسرے مرحلے میں نقوش (ڈائی مینشن) رونما ہوتے ہیں۔''

عدم سے موجود، موجود سے بڑھنا، بڑھ کر اپنی انتہا تک پہنچنا پھر انتہا سے گھٹنا اور گھٹ کر غائب ہو جانا،

سب خمیر کا عمل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خمیری عمل ہر مظاہرے میں اور ہر مرحلے پر الگ رفتار سے وقوع پذیر ہے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ رفتار کا انحصار کن عوامل پر ہے۔ بقیہ عوامل کے علاوہ اطلاع کے سورس (ماخذ) کا کردار کلیدی ہے۔ اطلاع کے ماخذ کا صحیح علم ان لوگوں کو ہے جن کو اللہ نے یہ علم عطا کیا ہے۔

ہم کمپیوٹر کے زمانے میں رہ رہے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ کمپیوٹر کیا ہے؟ کمپیوٹر میں حرکت ایک سافٹ ویئر کے سبب ہے جو اپنے ہارڈ وئیر پر جیتا اور مظہر بنتا ہے۔ سافٹ وئیر میں اطلاعات کمپیوٹر کی زبان میں ہدایات کے ذریعے دی جاتی ہیں۔

ہدایات کے تسلسل کو کیسے متعین کیا جاتا ہے—؟

پروگرامنگ کے ماہرین بتاتے ہیں کہ اس کا انحصار input data یعنی مثلِ خیال پر ہوتا ہے۔ ڈیٹا ہدایات کو ایک سمت سے دوسری سمت میں بدلتا ہے۔ کمپیوٹر کے ڈیٹا اور ہدایات کا سورس آدمی اور اس کا بنایا ہوا پروگرام ہے لیکن یہ بتایئے کہ آدمی کے اندر سافٹ ویئر کا سورس کیا ہے؟

آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ خمیری مصنوعات کیسے پھیلتی یا کیسے سکڑتی ہیں؟ سیکنڈری (ثانوی) جماعتوں میں لوگارتھم اور اینٹی لوگارتھم پڑھایا جاتا ہے۔ اکثر طلبا ان فارمولوں یا ان کے ٹیبل کا رٹا لگا لیتے ہیں اور پھر حسابی سوالات کا کلرک کی طرح لگے بندھے طریقے سے جواب نکال لیتے ہیں۔ نہ کبھی اساتذہ کرام نے زحمت کی اور نہ طالب علموں کے ذہن اتنے کھلے کہ لوگارتھم کی حقیقت پر تفکر کرتے!

طلبا و طالبات واقف ہیں کہ لوگارتھم مسلم محقق محمد بن موسیٰ خوارزمی کا وضع کردہ ہے۔ خوارزمی نے لوگارتھم اور اینٹی لوگارتھم کا جو زاویۂ فکر پیش کیا، اس کا طبعی مظاہرے کے نفی، اثبات اور نفی کے سائیکل میں کیا کردار ہے—؟ غور کرنا چاہئے کہ ان محققین کا سورس آف انفارمیشن کیا تھا—؟

ریاضی کی اس تیکنیک میں اعداد کو خاص ترتیب سے پھیلایا جاتا ہے۔ ہم مقداروں کو اعداد (نمبروں) سے جانتے ہیں جیسے ایک، دو، دس، سو، ہزار ملین، بلین وغیرہ۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر ہم چھوٹی سے چھوٹی مقدار مثلاً اعشاریہ مقداریں اور بڑی سے بڑی مقدار کی فعالیت کا ایک ساتھ جائزہ لینا چاہیں تو کسی سادہ حسابی عمل سے یہ ممکن نہیں۔ مگر موسیٰ خوارزمی کے وضع کردہ لوگارتھم کے طریقے سے ایسا ممکن ہے۔ یہ فکر کا ایسا زاویہ ہے جو ایک جست میں چھوٹی سے چھوٹی مقدار یا بڑی سے بڑی مقدار کا احاطہ کر لیتا ہے۔

لوگارتھم اینٹی کلاک وائز (گھڑی کی مخالف سمت) چلنے والا عمل ہے۔ جب یہ نمبر (عدد) پر متعین کیا جاتا ہے تو وہ انہیں اپنی اساس کی طرف سمیٹ لیتا ہے۔

ایک طبعی مظاہرے کو مقداروں سے ظاہر کریں جس

کا پھیلاؤ ایک سے لے کر بلین تک ہو۔ لوگارتھم کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام تر طبعی نظام چھوٹے چھوٹے نمبروں میں سمٹ جاتا ہے۔ ان نمبروں کو مائیکروفلم کہہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ پچاس سالہ درخت خدوخال اور عمر سمیت بیج میں مائیکروفلم کی طرح چھپا ہوتا ہے۔ چھپا اس لئے کہہ رہے ہیں کہ آنکھ اس کا احاطہ نہیں کرتی۔

سادہ کاغذ پر نقطہ لگائیں پھر آہستہ آہستہ دائرے کی شکل میں پھیلائیں۔ دائرہ اینٹی کلاک وائز سمت میں اس طرح بناتے جائیں کہ تسلسل میں خلا نہ ہو۔ دائرے بڑھتے جائیں گے۔ یہی لوگارتھم کی طرز فکر اور ہیئت ہے جو نقطے کو کھولتی ہے۔ بدقسمتی سے یہ بات اسکولوں میں نہیں پڑھائی جاتی کہ لوگارتھم کی اساس صرف دو اور 10 نہیں ـــ آپ کسی بھی نمبر کو لوگارتھم کی اساس بنا سکتے ہیں۔

قارئین کی دل چسپی کے لئے ایک مثال یہ ہے۔ سورج مکھی کے پھول میں زیردانوں کی ترتیب میں معین مقداروں کا پھیلاؤ عدد چھ (6) کے لوگارتھم پر ٹھہرا ہوتا ہے۔ مزید مثالوں کے لئے اپنے اردگرد نظر ڈالیں۔

جیسے دودھ کا دہی بننا، بیج سے پودا نکلنا، پیٹ میں بچے کی تخلیق، تنے سے شاخیں، شاخوں سے پتّے نکلنے کی طرز (پیٹرن) کا پھیلاؤ، آتش فشاں پہاڑ سے نکلنے والا لاوا، سونامی میں پانی اور ہوا کا طوفان، آدمی کے تفکر کرنے کی طرز، صحرا میں ہوا کے ذریعے ریت اور ٹیلے بننے کی طرز، زمین کی سطح پر موجود پہاڑوں اور وادیوں کا سلسلہ، کھلے جنگلوں میں درختوں کے اگنے کی طرز، نل سے نکل کر سنک کی جانب بہنے والے پانی کا پیٹرن، آدمی اور چرند پرند میں ساخت کی نسبت سے نمو پانے والے اعضا مثلاً آنکھ، ناک، پھیپھڑے، گردے کے سائز کا پیٹرن۔ تمام مثالوں کو الگ الگ کاغذ پر لکھ کر غور کرنے سے دو نکات روشن ہوں گے۔

۱۔ عدم سے موجود، موجود سے تناور ہونا پھر گھٹ کر غائب ہونا سب خمیر کے مختلف تناسب کی رفتار ہیں۔

۲۔ تناسب کی رفتار لوگارتھم سے متعین کی جا سکتی ہے۔

غرضیکہ لوگارتھم اور اینٹی لوگارتھم کی ابتدا و منتہا ایک نقطہ ہے۔ اول الذکر میں نقطہ دائرے کی شکل میں گردش کرتا ہے، کلاک وائز کھلتا ہے اور خدوخال بنتے جاتے ہیں۔ آخرالذکر میں خدوخال واپس دائرے میں اینٹی کلاک وائز ریکارڈ ہو جاتے ہیں اور بالآخر نقطہ غائب ہو جاتا ہے۔ مادی وجود کی بود و نبود میں خمیر کا عمل رونما ہوتا ہے جہاں کاربن، ہائیڈروجن اور آکسیجن کا بنیادی کردار نظر آتا ہے۔

موجودہ دور مغربی تعلیم کا عروج سمجھا جاتا ہے۔ انگریزی میں لکھی ہوئی کتابوں میں بتاتے ہیں کہ لوگارتھم سترھویں صدی میں جان نیپئر نے متعارف کرایا تھا پھر اس طریقِ کار کو محققین بحری اور ہوائی جہازوں میں راہ نمائی کے آلات میں استعمال کرنے لگے۔

لوگارتھم کے موجد محمد بن موسیٰ خوارزمی نے نویں صدی میں عباسی خلیفہ مامون کی زیرِ نگرانی ریسرچ سینٹر میں علم ریاضی میں بے شمار اضافے کئے۔ یہ بغداد میں واقع تھا اور 820ء میں اس کا نام ''بیت الحکمہ'' تھا۔ اس مرکز سے متعلق انگریزی زبان میں '' ہاؤس آف وزڈم'' کے عنوان سے کئی کتب موجود ہیں۔

خوارزمی 780ء میں خراسان کے علاقے خوارزم (موجودہ ازبکستان) میں پیدا ہوا۔اس کی تصانیف میں ''صورۃ الارض اور الجبراوالمقابلہ'' نے زیادہ شہرت پائی۔ یہ حضور اکرمؐ کی حیات کے تقریباً دوسو سال بعد کا زمانہ ہے۔اس دور میں موجودہ ایران، عراق، وسطی ایشیا کی ریاستوں اور ترکی میں تقریباً تمام علوم پر بھرپور کام کیا گیا جن کے عربی و فارسی مسودات آج بھی موجود ہیں۔ یہ علوم بارھویں صدی میں یورپ میں داخل ہوئے۔

ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کے خواہش مند افراد اور محققین لوگارتھم کی اساس اور طبعی مظاہرات کے درمیان تعلق پر تحقیق کر سکتے ہیں — اور یہ بات ابھی تک تحقیقی جرائد، میگزین، رسالوں اور تھیسز میں نہیں ملتی۔

وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ آٹھویں صدی میں محمد بن موسیٰ خوارزمی اس راز سے واقف تھا۔اس زمانے کے علوم فارسی اور عربی میں ملتے ہیں۔

مسلم امہ نے اسلاف کا ورثہ حاصل کرنے میں کوتاہی برتی ہے۔ ہماری رغبت انگریزی زبان کی طرف ہے مگر عربی وفارسی سیکھنے سے ہم غافل ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب مغربی اقوام ڈارک ایج میں تھی، تعلیمی حقوق امتیازی تھے، مذہبی اجارہ داروں کی طرف سے تفکر پر پابندی تھی۔ یہی ڈارک ایج گزشتہ 300 سالوں سے مسلم امہ پر چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہم نے مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان علوم سے منہ موڑ کر نہ صرف خود پر ظلم کیا ہے بلکہ اسلاف کی علمی و روحانی کاوشوں کو آگے نہ بڑھانے کی خیانت کے بھی مرتکب ہوئے ہیں۔

مغربی اقوام نے عربی وفارسی سیکھی، علوم کے ارتقا میں پیدا ہونے والے خلا کو پُر کیا اور اپنی نسلوں کے لئے صد سالہ پروگرام بنائے۔ جہاں گیری، جہاں بانی اور جہاں داری میں مغربی اقوام کا کردار ہمارے سامنے ہے۔مگر جہاں تفکر کا سوال آتا ہے تو ہم ناقد بن جاتے ہیں!

عاشق رسولؐ، شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے مسلم قوم خصوصاً نوجوان نسل کی اپنے اسلاف سے غافل نسبت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا ہے،

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

(قسط: ۳)

ہوا مخلوق ہے

ہوا کی مخلوق پر سبز رنگ غالب ہے لیکن جب ہوا میں شدت آتی ہے تو سرخ رنگ غالب ہو جاتا ہے۔

ذہن انسپائریشن کے سورس کی طرف متوجہ ہو اور توجہ میں یک سوئی پیدا ہو جائے تو حکمت ظاہر ہوتی ہے۔حکمت فارمولوں اور ایکویشن کا علم ہے۔

باعث تخلیق کائنات حضرت محمدؐ کی حیات کا ہر لمحہ حکمت و معرفت کا گنجینہ ہے۔ معاملات کی تفہیم اور مسائل کو جس طرح سے آپؐ نے حل فرمایا، دوست تو دوست، دشمن نے آپؐ کو صادق و امین کا لقب دیا۔

جب مشرکین نے دس ہزار افراد کا لشکر تیار کر کے مدینہ کی جانب پیش قدمی کی تو دوسری طرف صحابی حضرت سلمان فارسیؓ نے لشکر کے دفاع میں مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی تجویز دی۔رسول اللہؐ نے حکمت عملی پسند فرمائی اور مدینہ منورہ کے شمال کی جانب خندق کی کھدائی شروع ہوئی۔عورتیں اور مرد جو بیلچہ اور کدال اٹھانے کے قابل تھے، کھدائی میں شامل ہو گئے اور پندرہ فٹ چوڑی، پندرہ فٹ گہری اور چھ کلومیٹر طویل خندق تیار ہو گئی۔

جنگی ساز و سامان سے لیس مخالفین مدینہ کے قریب پہنچے تو خندق دیکھ کر دھچکا لگا کیوں کہ دفاع کا یہ طریقہ ان کے لئے نیا تھا۔ دن گزرتے رہے لیکن خندق پار کرنے کی راہ سجھائی نہ دی۔ موسم بدل رہا تھا۔انہوں نے چاہا کہ کسی طرح مدینہ کے چند قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔مسلمانوں کو اس کی خبر ملی تو تشویش ہوئی۔ایسے میں رسول اللہؐ نے انتہائی سکون اور یقین سے فرمایا،

’’مشرکین کو یہود کی کمک پر بھروسا ہے جب کہ میں اللہ کی مدد پر یقین رکھتا ہوں۔ یقین رکھو! اللہ ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔‘‘

دشمن کو پڑاؤ ڈالے دس دن سے زائد ہو چکے تھے لہٰذا ہزاروں کے لشکر کے لئے خوراک کا مسئلہ درپیش ہوا۔ آخر ایک رات تیز آندھی آئی جس سے دشمن کے خیمے پھٹے پرانے کپڑوں اور کاغذ کی طرح اڑنے لگے، لشکر میں روشن الاؤ بجھ گیا، شدید بارش سے سردی بڑھ گئی، سپاہیوں کے ہاتھ بیرسن ہو گئے، تلواریں برف کی طرح یخ ہو گئیں اور میدان تیز بارش کے پانی سے بھر گیا۔ بالآخر دشمن کو فرار ہونا پڑا۔

قارئین! جنگ خندق میں جس مخلوق نے ہزاروں

کے لشکر کو تتر بتر کیا، جانتے ہیں کہ وہ کون ہے ـــ؟

۱۔ تیز آندھی
۲۔ خیمے پھٹے پرانے کپڑوں اور کاغذ کی طرح اڑنا
۳۔ لشکر میں روشن الاؤ بجھنا
۴۔ بارش کی شدت سے سردی بڑھنا
۵۔ سپاہیوں کے ہاتھ بیرسن ہونا
۶۔ تلواریں برف کی طرح یخ ہونا
۷۔ میدان سیلابی پانی سے بھرنا

سارے عوامل کی بنیاد ''ہوا'' ہے۔

خالق و مالک، قادر و قدیر اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا۔ جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔'' (الاحزاب:۹)

زندگی کا انحصار جن وسائل پر ہے ان میں سے بیش تر ہمیں نظر نہیں آتے لیکن نظام حیات کو جاری رکھنے کے لئے ہر وقت حرکت میں ہیں۔ ان وسائل میں سے ایک ''ہوا'' ہے۔ ہوا کیا ہے ـــ؟ آیئے جانتے ہیں کہ مادی سائنس اس کے بارے میں کیا کہتی ہے اور روحانی آنکھ ہوا کو کیسے دیکھتی ہے ۔ پہلے مادی سائنس کی ہوا کے بارے میں مختصر وضاحت پڑھئے۔

سائنس کے مطابق مختلف ذرّات اور گیسوں کے مرکب کا مجموعی نام ہوا ہے جس سے زمین کی فضا بنتی ہے۔ ہوا زمین کے گرد گیسوں کا غلاف ہے۔ زمین کی کششِ ثقل ان گیسوں کو اپنے گرد کرہ کی مانند لپیٹے ہوئے ہے جسے عام طور پر فضا کہا جاتا ہے۔ گیسوں کا غلاف سورج سے پیدا ہونے والی خطرناک شمسی اور بالائے بنفشی شعاعوں سے زمین کی حفاظت کرتا ہے۔ زمین کو باہر کی مضر شعاعوں سے بچانے کے ساتھ زمین پر گرمی کو بھی خلا میں خارج ہونے سے روکتا ہے۔

فضا کی کیمیائی بناوٹ یعنی زمین پر ہوا میں شامل گیسوں میں تقریباً 78 فی صد نائٹروجن، 21 فی صد آکسیجن، 0.09 فی صد آرگن، 0.04 فی صد کاربن ڈائی آکسائیڈ اور معمولی مقدار میں دوسری گیسوں کے ساتھ ایک فی صد کے قریب آبی بخارات شامل ہیں۔

ہوا میں شامل دوسری گیسوں میں نیون، ہیلیم، میتھین، کرپٹون، ہائیڈروجن، نائٹرس آکسائیڈ، کاربن مونو آکسائیڈ، زینون، اوزون، آئیوڈین اور امونیا گیس وغیرہ شامل ہیں۔

محققین کہتے ہیں کہ ہوا مادہ (matter) ہے لہٰذا اس میں وزن ہے اور حجم بھی۔ ہوا میں وزن سے دباؤ پیدا ہوتا ہے۔ بلندی میں اضافے کی مناسبت سے ہوا میں دباؤ کم ہوتا جاتا ہے اور ہوا لطیف ہوجاتی ہے۔ ماہرین نے کرہ ہوائی کو پانچ پرتوں میں تقسیم کیا ہے۔

یہ ہوا کی مختصر سائنسی وضاحت ہے۔

روحانی آنکھ ہوا کو کس طرح دیکھتی ہے ــــ؟

ہوا کے گھٹنے بڑھنے، ساکن اور جاری ہونے کا نظام جن قواعد پر قائم ہے اس کی حقیقی تشریح وہی پیش کرسکتا ہے جس نے ہوا کو دیکھا ہے اور ہوا کے تخلیقی عوامل سے واقف ہے۔

معروف روحانی اسکالر عظیمی صاحب نے قرآن کریم کی روشنی میں ہوا کی تخلیق کو بیان کیا ہے جو غیر جانب دار محققین اور طلبا کے لئے روشنی ہے جس سے ذہنوں پر چھائی تاریکی دور ہوگی۔

محترم عظیمی صاحب لکھتے ہیں،

”روحانی مشاہدہ ہے کہ تغیرات میں مقناطیسی عمل کارفرما ہے۔ حدت یا گرمی قابلِ پیائش حرکت یا تھرتھراہٹ ہے۔ کیمیائی عمل ہو، برقی حرارت ہو یا سورج کی شعاعیں ہوں، ان میں حرکت بنیادی عنصر ہے۔

ہر مخلوق کی زندگی میں پانی کی طرح ہوا کا بھی عمل دخل ہے۔ ہوا سورج کی مدد سے بخارات کو بلندی کی طرف اڑاتی ہے، ان بخارات کو ذرّہ ذرّہ کر کے بادل بناتی ہے پھر بادلوں کو فضا میں ادھر ادھر چلاتی ہے اور یہ بخارات بارش کے قطرے بن کر زمین کو سیراب کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مشرقی ہوا بادلوں کو اوپر کی طرف لے جاتی ہے اور شمالی ہوا بادلوں کے ٹکڑے کرتی ہے۔ جنوبی ہوا بادلوں کو ٹپکنے کے قابل بناتی ہے اور مغربی ہوا قطروں کو بارش کی شکل میں تبدیل کرکے زمین کو سیراب کرتی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

بارآور ہواؤں کو ہم بھیجتے ہیں۔ پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور تمہیں سیراب کرتے ہیں۔ اس دولت کے مالک تم نہیں ہو۔ (الحجر:۲۲)

ہوا بادلوں کو اڑا کر مختلف مقامات پر لے جاتی ہے تو کاشت کار زمین میں غلّہ اگاتے ہیں۔ سمندر میں کشتیاں بھی ہوا کے دوش پر چلتی ہیں۔ ہوا ان کو ایک ملک سے دوسرے ملک لے جا کر خورد ونوش کا سامان فراہم کرتی ہے۔ ہوا گرد وغبار اور ریت اڑا کر باغوں میں لاتی ہے اور اس سے درخت توانائی حاصل کرتے ہیں۔ ہوا کے دوش پر بے شمار چیزیں ساحل سمندر پر آجاتی ہیں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہوا اشرف المخلوقات انسان اور انسان کے لئے تخلیق کردہ ذیلی مخلوق کو متحرک اور مستعد رکھتی ہے۔

ہوا مخلوق ہے۔ اس مخلوق میں تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔ ہوا بچپن کا دور گزار کر جوان ہوتی ہے اور جوانی کے بعد اس کے اوپر انحطاط بھی آتا ہے۔

ہوا ایک جرثومہ ہے جو ثابت مسور کی دال کی طرح ہے۔ یہ گول چپٹا اور چکنا جرثومہ بیکٹیریا سے زیادہ چھوٹا اور بیکٹیریا سے زیادہ تیزی سے نشوونما پاتا ہے۔

ہوا کی تخلیق کے زون کھلے ریگستان اور سمندر کی اندرونی سطح ہے۔

ایک مخلوق ٹڈی ہے۔ ٹڈی جب زمین سے نکل کر فضا میں اڑتی ہے تو اتنی زیادہ تعداد میں ہوتی ہے کہ سورج اور زمین کے درمیان پردہ بن جاتی ہے اور اندھیرا چھا جاتا ہے۔

اس کے برعکس ہوا کی مخلوق ٹرانسپیرنٹ ہے اور ہوا کے جرثومے اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ وہ مادی آنکھ اور دوسرے خوردبین سے نظر نہیں آتے لیکن جب ان کی رفتار میں شدت ہوتی ہے تو وہ آندھی اور ہوائی طوفان بن جاتے ہیں۔ بڑی بڑی فلک بوس عمارتوں، دیوہیکل مشینوں اور بڑے بڑے شہروں کو سیکنڈوں میں نیست و نابود کردیتے ہیں۔

ہوا کی مخلوق پر سبز رنگ غالب ہے لیکن جب ہوا میں شدت آتی ہے تو سرخ رنگ غالب ہوجاتا ہے۔ ہوا میں وہ تمام رنگ بھی موجود ہیں جو دوسری مخلوقات میں ہیں۔

اندر کی آنکھ دیکھتی ہے کہ ہوا کے اندر توانائی اتنی زیادہ ہے کہ وہ 30، 40 میل فی گھنٹے کی رفتار سے چلتی ہے اور بعض اوقات ہوا کی رفتار 120 میل فی گھنٹا ہوتی ہے۔ سمندروں میں طوفان باد و باراں 240 کلو میٹر فی گھنٹے کے حساب سے گھومتا ہوا، 20 کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے آگے بڑھتا ہے۔ سمندروں کی لہروں کی طاقت اور رفتار میں براہ راست ہوا کا عمل دخل ہے۔''

رحمۃ للعالمین حضرت محمدؐ کے ذریعے کائنات میں وسائل تقسیم ہوتے ہیں۔ حضور پاکؐ کے معجزات میں ہوا کے فارمولوں کا بیان ہے۔

غزوۂ بدر میں جب حضور پاکؐ نے مٹھی بھر مٹی پھینکی تو ہوا نے حضورؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ اسی طرح غزوہ احزاب کے موقع پر تیز آندھی چلی۔ آسمان پر بادل چھا گئے اور بارش نے میدانِ کارزار کو جل تھل کردیا۔ تیز و تند بارش اور ہوا نے لشکر کے اعصاب کو منجمد کردیا اور خوف و دہشت میں باطل فوج کے پیرا کھڑ گئے اور وہ سراسیمہ ہوکر بھاگ گئے۔

''ہونی شدنی! کیا ہے وہ ہونی شدنی؟ اور تم کیا جانو وہ کیا ہے ہونی شدنی؟ ثمود اور عاد نے اچانک اس ٹوٹ پڑنے والی آفت کو جھٹلایا تو ثمود ایک سخت حادثے سے ہلاک کئے گئے۔ اور عاد ایک بڑی شدید طوفانی آندھی سے تباہ کردیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلسل سات رات اور آٹھ دن ان پر مسلط رکھا۔ دیکھتے ہو کہ وہ وہاں اس طرح پچھڑے پڑے ہیں جیسے وہ کھجور کے بوسیدہ تنے ہوں۔ اب کیا ان میں سے تمہیں کوئی باقی بچا نظر آتا ہے؟''

(الحاقۃ: ۱۔۸)

قارئین! کائنات میں جو کچھ موجود ہے، سب مخلوق ہے اور مخلوق کی شکل و صورت ہے۔ عمومی طور پر ہوا کو گیس کی مدد سے سمجھا جاتا ہے۔ گیس کیا ہے —؟

گیس بھی مخلوق ہے جس میں مسلسل حرکت ہے۔ حرکت پیدا ہوتی ہے تو پھیلتی ہے اور جب حرکت سمٹتی ہے تو مرجاتی ہے۔ ہر فرد میں گیس کی مقدار مقرر ہے۔ مقدار زیادہ یا کم ہوجائے تو ایسے فرد کو صحت مند نہیں کہا جاتا۔ گیس کی فطرت میں حرکت ہے اس لئے جسم

میں گیس ایک جگہ رکنے سے ''حبس ریاح'' کا مرض لاحق ہوتا ہے، تفصیل کتاب ''روحانی علاج'' میں ہے۔

گیس ایک طرح کی بھاپ ہے جس میں شے پوری ہیئت کے ساتھ موجود ہوتی ہے لیکن اس حالت میں ثقل ایک حد تک مغلوب ہونے کی وجہ سے زمینی زون میں رہنے والوں کو گیس میں خدوخال نظر نہیں آتے۔

مثال: کھانا پکتا ہے تو بخارات اٹھتے ہیں اور پھیل جاتے ہیں۔ بخارات دراصل مادے میں گیس کی حالت کا غالب ہونا ہے۔ ان بخارات میں دیگچی میں موجود تمام اجزا کی بو ہوتی ہے۔ کیا گھر میں داخل ہونے والا باورچی خانے میں آئے بغیر نہیں سمجھ جاتا ہے کہ آج کیا پکا ہے —؟ حرارت کی وجہ سے دیگچی میں غذائی اجزا کے مالیکیولز (سالمات) کھلتے ہیں، بظاہر ان اجزا کی ساخت بدل جاتی ہے لیکن گیس کی صورت میں ان کی موجودگی برقرار رہتی ہے۔

قابل غور ہے کہ کھانا پکانے کے دوران حرارت سے دیگچی میں جب بلبلے بنتے ہیں تو ان میں نقش و نگار موجود ہونے کے ساتھ بلبلے کے مادی مظاہرے میں بیک وقت پانی کی تین حالتیں نظر آتی ہیں۔

۱۔ بیرونی سطح نہایت لطیف لیکن ٹھوس خول ہے

۲۔ بلبلے کے اندر خلا گیس ہے

۳۔ ہاتھ لگانے پر بلبلا ٹوٹنے سے نمی محسوس ہوتی ہے

بلبلا جس شے کا بنا ہے، وہ شے پوری شکل و صورت کے ساتھ اس کے اندر موجود ہے۔ یعنی پانی کی طرح پانی کی ایک حالت گیس، تصورات کا خول ہے۔ جب ان گیسوں میں فورس داخل ہوتی ہے تو وہ انہیں اوپر اٹھاتی ہے پھر آگے بڑھاتی یا دھکیلتی ہے جسے ہم عام طور پر ہوا کا نام دیتے ہیں۔

جب تک گیسوں میں فورس داخل نہ ہو، یہ محسوس نہیں ہوتیں۔ ہم ہوا کی صورت میں گیسوں کو محسوس کرتے ہیں تو دراصل یہ توانائی اور توانائی میں دباؤ کی کمی یا زیادتی کو محسوس کرنا ہے۔

★ قارئین اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔

صحرا دن میں شدید گرم اور رات میں ٹھنڈے کیوں ہوتے ہیں؟

بے ثبات دنیا میں خود تغیر — تغیر پذیر ہے۔ قومیں بنتی اور مٹتی ہیں۔ دریا پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے مقام پر منتقل ہو جاتے ہیں — سرسبز علاقہ ویران اور ویرانہ آباد ہوتا ہے۔ ایسے ہی نقوش براعظم افریقا کے عظیم صحرائی مقام صحارا میں ملتے ہیں۔ صحارا کسی زمانے میں سرسبز و شاداب علاقہ تھا مگر اب دنیا کا سب سے بڑا اور خشک ریگستان ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ دریاؤں کی آماجگاہ تھا، مٹی زرخیز اور علاقے میں ہریالی تھی۔ قابل غور ہے کہ صحراؤں میں دن کے وقت جھلسا دینے والی گرمی اور رات ٹھنڈی ہوتی ہے۔ قارئین! ایک ہی مقام پر دن میں لُو کے تھپیڑے اور رات میں ٹھنڈی ہوائیں چلنے کا نظام کیا ہے —؟

عقل مند چیتا

لیفٹیننٹ کرنل اے لاک نے طویل عرصہ ملائیشیا کے جنگلات سے قریب علاقوں میں بحیثیت ضلعی افسر متعدد مہمات سرانجام دیں اور انہیں کتاب کی صورت میں قلم بند کیا۔ یہ مضمون ان کی ایک تحریر کا ترجمہ ہے۔

ذکر ملائشیا میں ضلع ڈنگن کے تین گاؤں کا ہے جن کے ایک طرف دریا اور دوسری طرف گھنا جنگل تھا۔ گاؤں باسیوں کا روزگار ربڑ کے درخت اور دریا کے پار لوہے کی کان سے وابستہ تھا۔ زندگی مصروف اور محفوظ تھی کہ ایک روز آدم خور چیتے نے جنگل کا رخ کیا اور کمال ہوشیاری سے ایک کے بعد ایک شکار کیا۔ آدم خور چیتے کی خبر ضلعی انتظامیہ تک پہنچی تو لیفٹیننٹ کرنل اے لاک جو وہاں تعینات تھے، درندے کی تلاش میں گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ جنگل کا معائنہ کرنے کے بعد ایک مقام پر نشانات ملے۔ درندے کے راستے میں ایک درخت منتخب کیا اور دام میں لانے کے لئے بکرا رکھ کر انتظار میں بیٹھ گئے۔ درندہ بے آواز قدموں سے اس مقام پر آیا۔ پھر کیا ہوا، جاننے کے لئے آگے پڑھئے۔

واضح کردوں کہ میں نے کبھی شکار کی غرض سے شکار نہیں کیا بلکہ ریاست کی طرف سے جنگلات سے ملحق علاقوں میں ضلعی افسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور میرا مقصد مقامی لوگوں کو ایسے درندوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ درندوں کا شکار بھی میں نے اس وقت کیا جب انہوں نے اپنی فطرت کے مطابق خوراک کے بجائے آدمیوں کو کھانا شروع کیا۔

چیتے کی پشت میری طرف تھی اور وہ میرے دائیں جانب تھا۔ اس کا آدھا دھڑ ربڑ کے درخت کی لٹکی ہوئی شاخ کی وجہ سے میری نظروں سے اوجھل تھا۔ ہاتھ میں رائفل نشانے کے لئے تیار تھی۔

میں نے موقع ضائع کئے بغیر جیسے ہی گولی چلائی، اسی لمحے چیتا تیزی سے مڑا اور دائیں طرف غائب ہوگیا۔ میں لمحے سے بھی کم وقت میں جان گیا تھا کہ یہ مڑنے والا ہے لیکن میں نے جلدی کردی۔

اس کے بعد وہاں پھیلی ہوئی مکمل خاموشی سے میں خوف زدہ ہوگیا۔ اگر گولی چیتے کو معمولی چھوکر بھی گزری ہوتی تو اس کی چنگھاڑ جنگل کے سکون کو درہم برہم کردیتی لیکن وہاں آواز نہیں تھی۔ آدم خور بچ گیا تھا۔ دس منٹ انتظار کے بعد میں درخت پر سے اترا۔ اترنے کے لئے رائفل کندھے پر لٹکانا ضروری تھی اس

لئے ٹارچ کا رخ زمین کی طرف ہوگیا۔ اندھیرے میں اس طرح اترنا جب کہ قوی امکان ہو کہ آدم خور قریب موجود ہوگا، عقل مندی نہیں تھی۔

میں نے اس مقام کا معائنہ کیا جہاں چیتے پر گولی چلائی تھی۔ وہاں خون کا ایک قطرہ نہیں تھا۔ میں دلدل کے قریب گیا کہ شاید وہاں خون گرا ہو۔ احساس ہوا کہ میں چیتے کو خود پر حملہ کرنے کا کھلا موقع دے رہا ہوں۔ میں واپس درخت پر چڑھ گیا۔

درست نشانے کے باوجود وہ بچ گیا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد جنگل میں روشنی دکھائی دی پھر کچھ لوگوں کے قدموں کی آواز قریب آنے لگی۔ یہ پامٹ، پولیس اہل کار اور گاؤں کے چند افراد تھے جو چیتے کو ساتھ لے جانے کے لئے فولادی پائپ ساتھ لے کر آئے تھے۔ رائفل کی آواز گاؤں جرنگاؤ کے مکینوں تک پہنچ گئی تھی۔

پامٹ نے ان سے کہا تھا کہ پائپ لے کر چلو کیوں کہ اسے یقین تھا کہ گولی نے درندے کا خاتمہ کردیا ہوگا۔ اس اعتماد کو میں کیا نام دیتا؟

میرے پاس کوئی بہانہ نہیں تھا۔ میں نے سنہری موقع ضائع کردیا تھا۔ شدید مایوسی غالب تھی۔ اگلی صبح ڈنگن اور وہاں سے کمامن تک سفر افسردگی میں گزرا۔

آدم خور نہ صرف مزید لوگوں کو کھانے کے لئے زندہ رہ گیا تھا بلکہ مجھے معلوم تھا کہ اگلی بار وہ اندھیرے میں شکاری کی طرف آنے کے لئے دو بار سوچے گا۔ یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ پتلے کے ذریعے اب اس کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ نئی تدبیر سوچنا ہوگی۔

اس ناکام واردات کے بعد ضلعی انتظامیہ کی جانب سے گاؤں کے نمبرداروں کو احکامات جاری کئے گئے کہ آئندہ کوئی واقعہ پیش آئے تو میرے آنے سے پہلے لاش جائے حادثہ سے نہ اٹھائی جائے۔

اس بار احکامات تحریری طور پر بھیجے گئے۔

مالے کے ایک افسر نے گاؤں گاؤں دورہ کیا اور وہاں موجود لوگوں کو سمجھایا کہ چیتے کو ہلاک کرنے کے لئے یہ اقدام کیوں ضروری ہے۔

میں نے ضلع ڈنگن سے موٹر بوٹ کے ذریعے موٹی تازی گائے بھیجی۔ دن میں گائے کو گاؤں میں خوب کھلایا جاتا اور رات کو جنگل میں درخت سے باندھ دیا جاتا لیکن یہ حربہ بھی کامیاب نہیں ہوا۔ چیتے نے گائے میں رتی برابر دلچسپی نہیں لی۔

لوگ گھبرا گئے کیوں کہ چیتے کو جانور نہیں، آدم زاد چاہئے تھا۔ وہ کام پر جانے سے خوف زدہ ہوگئے۔

بیس روز بعد چیتے نے ربڑ کے درختوں پر کام کرنے والے ایک مزدور پر حملہ کردیا۔ یہ جگہ اس مقام سے دور نہیں تھی جہاں پر میں نے اسے گولی ماری تھی۔

مجھے سہ پہر کو اطلاع ملی کہ لاش مل گئی ہے مگر ہدایت کے مطابق اٹھایا نہیں گیا۔ جب میں علی الصبح وہاں پہنچا تو یہ دیکھ کر شدید مایوسی ہوئی کہ

۱۔ لاش کو انھوں نے ایسی جگہ رکھ دیا تھا جہاں پر ان کے نزدیک میرے لئے چیتے کو مارنا آسان تھا۔

۲۔ اسے مصریوں کی ممی جیسا لباس پہنایا گیا تھا۔

۳۔ لاش کے قریب لوگوں نے حلقہ بنا دیا تھا کہ چیتا اسے کھانے نہ آئے۔

میری مدد کی کوشش میں گاؤں والوں نے جو اقدامات کئے وہ سب ان کو دیئے گئے احکامات کے برعکس تھے۔ چیتا گھبرا گیا اور گاؤں والوں کے قریب نہیں آیا۔

مقامی لوگوں کا خیال تھا کہ وہ واپس آئے گا۔ میں نے چودہ دن انتظار کیا لیکن وہ نہیں آیا۔ لگتا تھا کہ جب میں اسے مارنا چاہتا ہوں، کچھ نہ کچھ غلط ہو جاتا ہے۔

جرنگاؤ اور ڈنگن میں دو جادوگروں نے مجھے بتایا کہ چیتا اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ آٹھواں شکار نہ کرلے۔ ایک نے یہاں تک کہہ دیا کہ جب تک تمہیں نہ مار دے، وہ نہیں مرے گا۔

آدم خور نے ساتواں شکار گاؤں مانچس کے جنوب میں چھ اپریل کو دریا میں مچھلی پکڑنے کے لئے جانے والے نوجوان کا کیا۔ لاش اسی روز مل گئی تھی۔ مجھے دو روز بعد خبر ملی۔ میں نے سوچا کہ اللہ نہ کرے اگلا شکار آٹھواں ہوگا، اس کے بعد معلوم ہوگا کہ آیا جادوگروں نے صحیح پیش گوئی کی تھی یا نہیں۔

ساتویں شکار کے بعد آدم خور نے جرنگاؤ پولیس اسٹیشن کے قریب بھینس کو آدھا نگل لیا۔ بدقسمتی سے تین دن سے پہلے اس واقعہ کی کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ اس دوران چیتا بھینس کو کھلے میدان میں بے فکری سے کھاتا رہا۔ یہ چیتے کو مارنے کا نایاب موقع تھا جو کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔ گاؤں والوں کو واقعہ کی خبر ہوئی تو آدم خور بھینس کے بقیہ حصے کو گھسیٹتے ہوئے دلدل والے علاقے میں لے گیا۔

میں ضلع ڈنگن میں دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا جب اس واقعے کی اطلاع ملی۔ چار بجے سے پہلے ریل گاڑی کے ذریعے بھی گاؤں پڑنگ پلٹ نہیں پہنچ سکتا تھا۔

بہرحال ہم نے ریل کا سفر کیا اور مانچس سے جرنگاؤ تک چھ میل کا سفر تیز قدموں سے کرنے کے باوجود ہم چھ بجے سے پہلے نہیں پہنچے۔ میں نے اپنی نشست تیار کرنا شروع کی۔ جائے حادثہ پر موجود نشانات اسی آدم خور چیتے کے تھے۔ قریب موجود ایک درخت ایسا نہیں تھا جو آدمی کا وزن برداشت کرتا۔ ہم نے مجبوراً ان میں سے سب سے بڑے درخت کا انتخاب کیا۔ اس کے گرد مضبوط سلاخیں لگائیں ۔ وہاں اپنی نشست بنائی اور اسے گھاس پھوس سے چھپا دیا۔ یہ کام بہت مشکل سے انجام کو پہنچا۔ اندھیرا ہو رہا تھا، پیر گدلے پانی میں تھے اور مچھروں کی یلغار تھی۔

اندھیرا گہرا ہوا۔ پامٹ اور گاؤں کے چند دوسرے لوگ مجھے یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ مجھے یقین تھا کہ جس دوران ہم کام کر رہے تھے، چیتا یہاں آیا تھا اور شور سن

کر چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ اب اگر اسے آنا بھی ہوا تو نو بجے سے پہلے یہاں کا رخ نہیں کرے گا۔

ساڑھے نو بجے چیتا میری پشت کی طرف سے برآمد ہوا۔ اس بار وہ گذشتہ تجربے کی وجہ سے زیادہ محتاط قدموں سے حرکت کر رہا تھا۔ وہ مجھ سے چند گز دور کھڑا ہوا، ایک منٹ وہاں رکا اور واپس مڑ گیا۔ میری نشست اچھی طرح پتّوں سے چھپی ہوئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر اس بار میں نے احتیاط نہ کی تو معمولی حرکت اسے میری موجودگی کی خبر کر دے گی۔ چیتے کی احتیاط سے ظاہر ہو گیا تھا کہ اس نے ہمیں کام کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس لئے یہاں جائزہ لے کر وہ رکا نہیں۔

مجھے یقین تھا کہ وہ بھینس کے بقیہ حصے کو کھانے ضرور آئے گا۔ چاہے صبح کیوں نہ ہو جائے، مجھے اس کا انتظار کرنا تھا۔ میں آرام دہ حالت میں بیٹھ گیا۔

دو گھنٹے تک خاموشی سے جنگل میں رات کو جاگنے والے جانوروں کی آوازیں سنتا رہا۔ گھڑی رات کے بارہ بجا رہی تھی۔ اچانک احساس ہوا کہ آدم خور انتہائی خاموشی سے پانی میں سے گزر رہا ہے اور میری پشت پر آ پہنچا ہے۔ پانی میں چلتے ہوئے آواز نہ آنا اس کی غیر معمولی حرکت اور صلاحیت کو ظاہر کر رہی تھی۔ وہ چند لمحے رکا اور پھر آگے بڑھنا شروع کیا۔ اس بار وہ عین اس درخت کے نیچے آ کر رک گیا جس پر میں چھپا ہوا تھا۔

تجسس عروج پر تھا۔ یہ کیفیت ناقابل بیان ہے۔ رائفل میرے ہاتھ میں نہیں تھی اور میرے پیر زمین سے آٹھ فٹ اوپر تھے۔ ہم دونوں خاموش تھے۔ نہیں معلوم چیتے کو مجھ سے دلچسپی تھی یا وہ بھینس کو کھانے آیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر اس وقت اسے انسانی گوشت کھانے کی خواہش ہوتی تو وہ بآسانی پنجوں پر کھڑے ہو کر میرے پیر کھینچ سکتا تھا۔ انتہائی احتیاط سے میں نے رائفل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بہت آہستہ سے کندھے تک لایا۔ وہ اتنا قریب تھا کہ اس بار نشانہ چوکنے کا ذرّہ برابر امکان نہیں تھا۔ ٹارچ روشن کئے بغیر گھپ اندھیرے میں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

آدم خور نے قدم آگے بڑھایا۔ مجھے قدموں کی آواز سے اس کی درست جگہ کا تعین کرنا تھا۔ جس حد تک آنکھوں سے دیکھ سکتا تھا، میں نے آنکھوں پر زور دیا۔

اچانک چیتے نے جو حرکت کی وہ میں نے آج تک کسی چیتے کو کرتے نہیں دیکھی تھی۔ اس نے تیزی سے گہرا سانس لیا اور ہِس کی سی آواز نکالی جیسے ہم لوگ آہ بھرتے ہوئے سانس لیتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے قدم آگے نہیں بڑھایا بلکہ پیچھے کی طرف میرے دائیں جانب آ گیا۔ میری بدقسمتی تھی کہ اچانک ٹارچ روشن ہو گئی، میں نے تیزی سے روشنی کا رخ پیچھے کی جانب کر دیا۔ پھرتی کی وجہ سے میں گرتے گرتے سنبھلا اور چیتے کو بھاگنے کا موقع مل گیا۔

میں نے دوسرا موقع بھی گنوا دیا۔

پھر سولہ دنوں تک آدم خور کی خبر نہیں آئی۔ سترھویں دن 23 اپریل 1951ء کو اس نے جرنگاؤ سے چھ میل کے فاصلے پر گاؤں مانچس میں مزدور پر حملہ کر دیا۔ یہ آدمی صبح دس بجے کے قریب شکار بنا۔

میں نے سنا کہ اسی روز لوگوں نے چیتے کو گاؤں واؤ کی طرف سے دریا پار کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ اب تک اس کا سب سے دلیرانہ حملہ تھا۔ چار بجے سے پہلے لوگوں نے اس آٹھویں واردات کی ہمیں خبر نہیں دی۔

خبر ملتے ہی میں روانہ ہوا۔ اندھیرے سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ایک ساتھی کے ہمراہ صبح نو بجے مانچس پہنچا۔ دو مقامی لوگ ساتھ ہوئے اور حادثے کے مقام کی نشان دہی کی۔ ہم گیارہ بجے پہنچے۔

لاش گذشتہ روز سے چیتے کے رحم و کرم پر تھی۔

میرے لئے حیرت انگیز بات مالے نوجوان کا چہرہ تھا۔ اتنا پُرسکون جیسے سو رہا ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب کوئی اذیت میں مرتا ہے تو چہرے پر تاثرات کرب کی شکل میں محفوظ ہو جاتے ہیں لیکن اس نوجوان کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔

ڈیڈ باڈی کے جائزے سے معلوم ہوا کہ چیتا کچھ دیر پہلے یہیں موجود تھا اور پانی پینے گیا ہے۔ ہم نے اردگرد مناسب جگہ کا جائزہ لیا۔ کوئی درخت ہمارے مطابق نہیں تھا۔ لگتا تھا کہ اس بار مجھے زیر زمین جگہ بنا کر چھپنا ہوگا۔

جس دوران ہم چھپنے کی جگہ تلاش کر رہے تھے تو ایک گلہری تیزی سے میرے پیروں کے گرد گھومنے لگی۔ یہ قدرت کی جانب سے مدد تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھے چیتے کی آمد کی خبر دے رہی ہے۔ میں نے بڑی شکاری چُھری آہستہ سے درخت پر ماری۔

گلہری خاموش ہو گئی۔

گلہری کی خاموشی اشارہ تھی کہ چیتے نے آواز سن لی ہے اور اب وہ یہاں دیر سے آئے گا۔

ہماری نظر ایک درخت پر پڑی جسے ہم نے کچھ دیر پہلے نظر انداز کر دیا تھا۔ یہ میرے بیٹھنے کے لئے بہت مناسب جگہ تھی اور یہ جائے حادثہ سے آٹھ گز دور تھی۔ فوری طور پر ضروری انتظامات کئے گئے۔ میں نے خود کو پتوں کے پیچھے چھپالیا اور ایک بڑے پتّے پر سوراخ کر کے رائفل کے سرے پر ڈال دیا۔ میرے ساتھ موجود تین افراد منصوبے کے مطابق باتیں کرتے ہوئے تیزی سے واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ مجھے شدید پیاس لگی تھی، جسم پسینے میں شرابور تھا لیکن اس وقت پانی پینے کا موقع نہیں تھا۔

باتیں کرتے ہوئے گزرنا آدم خور چیتے کو بے وقوف بنانے کی ہماری چال تھی۔ باتوں کے بعد جب خاموشی ہو جاتی تو وہ سمجھتا تھا کہ اب یہاں کوئی نہیں ہے۔

چند منٹ گزرے تھے کہ گلہری نے پھر شور مچانا شروع کر دیا۔ یہ اطلاع تھی کہ چیتا آ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد آدم خور چیتے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ اسے یقین تھا کہ ہم

جا چکے ہیں۔تسلی کر لینے کے بعد پہلے جھاڑیوں میں سے اس کا سر باہر آیا۔وہ ڈیڈ باڈی پر جھکا۔

سر پر نشانہ اتنا یقینی نہیں ہوتا لہٰذا میں نے تحمل سے جھاڑیوں میں سے اس کے باہر آنے کا انتظار کیا۔لگتا تھا کہ وہ لاش کو کہیں اور لے جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

جیسے ہی وہ پورا باہر آیا اور اس کی گردن رائفل کی نالی کے نشانے پر آئی — میں نے گولی چلا دی۔

جنگل گولی کی آواز سے لرز اٹھا۔

سینکڑوں لوگوں کو ایک سال تک خوف میں مبتلا رکھنے والا دہشت ناک درندہ میری نظروں کے سامنے پیٹ کے بل گرا اور اس کا جسم جھٹکے کھانے لگا۔

وہ تڑپ رہا تھا اور تھوڑی دیر بعد ساکن ہو گیا۔

میں نے ایک اور فائر کیا۔

یہ پامٹ کو مطلع کرنے کے لئے تھا۔

وہ دوڑتے ہوئے گاؤں کے لوگوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔سب نے مل کر چیتے کو باندھا۔اس کے آگے کے پنجے غیر معمولی طور پر بڑے تھے۔

بعد میں قد کی پیمائش کی گئی تو وہ آٹھ فٹ چھ انچ تھا۔

اس علاقے میں اتنا بڑا چیتا میں نے پہلے نہیں دیکھا۔

باندھنے کے بعد ہم اسے کھلے میدان میں لے کر آئے۔ میں نے اس کی تصویر لی اور بعد میں جرنگاؤ کے نمبردار کو بھجوائی۔نمبردار نے تصویر فخر سے وہاں کی مشہور کافی شاپ کے باہر لٹکا دی۔ (آخری قسط)

بتایئے آپ کیا سمجھے......؟

شیر اور شیرنی کے دو بچے تھے۔ایک دن شیر کو شکار نہ ملا تو بھوک سے بے حال شکار کی تلاش میں ادھر ادھر پھرتا رہا۔ایک جگہ گیدڑ کا ننھا بچہ پڑا ہوا ملا۔ شیر نے سوچا کہ میرا پیٹ اس سے کہاں بھرے گا، اسے شیرنی کے لئے لے جاتا ہوں۔اگر وہ بھوکی رہی تو بچوں کو دودھ نہیں پلا سکے گی۔

یہ سوچ کر گیدڑ کے بچے کو اٹھا لیا۔

کچھار میں پہنچ کر شیرنی سے کہا، اس گیدڑ کے بچے سے تھوڑا بہت پیٹ بھر لو۔اگر تم بھوکی رہیں تو بچے بھوکے رہیں گے۔

شیرنی بولی، تم نر ہو کر اسے نہیں کھا رہے، میں بچوں کی ماں ہو کر اس بچے کو کیسے کھا سکتی ہوں۔

اب شیرنی گیدڑ کے بچے کو بھی اپنے بچوں کے ساتھ پالنے لگی۔تینوں بچے بڑے ہوئے۔شیر کے بچے گیدڑ کو بڑا بھائی سمجھتے تھے۔

ایک دن تینوں شکار کی تلاش میں گھوم رہے تھے کہ ہاتھی دکھائی دیا۔شیر کے بچے ہاتھی پر جھپٹے مگر بڑے بھیا گیدڑ ڈر کے مارے الٹے پاؤں بھاگے اور دور درخت کی آڑ میں چھپ گئے۔

شیر کے بچوں نے بڑے بھیا کو اس طرح ڈرتے دیکھا تو وہ بھی بھاگ گئے۔

سرورق کی تشریح

سرورق دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ اندر میں اطلاع وارد ہوئی کہ بابا تاج الدین ناگپوریؒ مجھے دیکھ رہے ہیں۔

تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑائیں تو نانا تاج الدینؒ جیسی ہستی صدیوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی ذات بابرکت سے غیر ارادی طور پر بے شمار کرامتوں کا ظہور ہوا۔ ان کرامات میں قانون قدرت کے فارمولے ہیں۔ مثلاً ایک مرتبہ کسی نے امرود پیش کیا تو آپ نے زبان سے لگا کر فوراً پھینک دیا اور فرمایا، ''ہم مردے نکو کھاتے جی''۔ محفل میں مزاج شناس لوگ موجود تھے۔ معاملے کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ کسی نے قبرستان ہموار کر کے باغ بنا دیا تھا یہ امرود اسی باغ کا ہے۔ جس قسم کی زمین ہوتی ہے، ویسے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

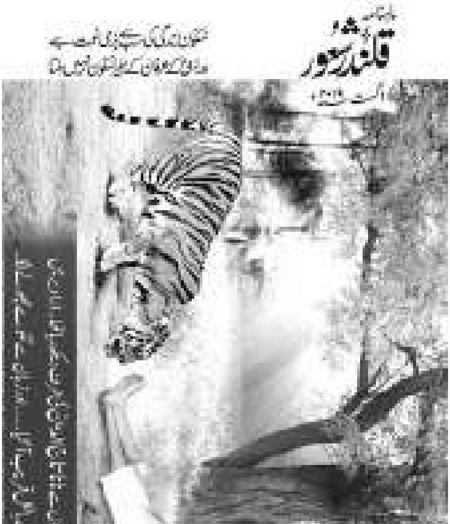

واقعہ پڑھ کر تجربہ کیا۔ سبزیاں اگائیں اور زمین کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کو صابن والا پانی دیتا رہا۔ دوسرے حصے کو گڑ کا اور تیسرے حصے کو صاف پانی دیا۔ سبزیاں آئیں تو الگ الگ خصوصیات تھیں۔ جس زمین پر صابن کا پانی دیا تھا وہاں اگنے والی سبزیوں سے صابن کی خوش بو آتی تھی۔ ذائقہ بھی صابن کا تھا وغیرہ۔

ایک مرتبہ ایک کتیا کے بچے لوگوں سے بچتے بچاتے نانا صاحبؒ کے پاس پہنچنے کی کوشش میں تھے۔ کوئی انہیں پیر سے ادھر تو کوئی ادھر کر دیتا اور کسی نے بھگانے کی کوشش کی لیکن وہ لوگوں کی پروانہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

نانا تاج الدینؒ کی نظر پڑی تو فرمایا، ''ان کو نہیں روکتے۔ جو مراد لے کر آتے جی، مراد پوری ہوتی جی۔''

لوگوں نے راستہ چھوڑ دیا۔ بچے دوڑ کر قدموں میں پہنچے۔

نانا تاج الدینؒ نے فرمایا، ''چلو جی اٹھو''۔

بچے آگے آگے چل رہے تھے۔ نانا صاحبؒ اور دیگر لوگ پیچھے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر وہ رک گئے۔

وہاں بچوں کی ماں بے ہوش پڑی تھی۔

آپ نے فرمایا، ''ہوں چل اٹھ ادھر پڑی ہے اور بچے بھوکے ہیں چل ان کو دودھ پلا۔''

یہ سنتے ہی ماں کو ہوش آ گیا۔ شیرخوار بچوں نے دم ہلا کر شکریہ ادا کیا۔

سوال یہ ہے کہ نوع حیوانات کے ان بچوں نے کس طرح نانا صاحبؒ تک مدعا پہنچایا—؟

شیر اور کتیا کے بچوں کا معاملہ ایک ہے۔ اس میں کئی نکات اور حکمتیں ہیں۔ یہی نہیں — نانا تاج الدینؒ لوگوں کی عرض سنے بغیر جان لیتے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ بعض اوقات کچھ کہے بغیر لوگوں کو اپنی بات سمجھا دیتے تھے۔ بیک وقت ایک سے زائد مقامات پر موجود ہونا، قریب و دور مخلوقات کی مدد کے لئے حاضر باش رہنا ان کی کرامات میں سے ہیں۔ نانا تاج الدینؒ کا فیض آج بھی جاری ہے۔ آپ حضور قلندر بابا اولیاؒ کے نانا ہیں۔ الحمدللہ اس نسبت سے آپ سب عظیمی بہن بھائیوں کے نانا ہیں۔ (محمد عاشق۔ ایبٹ آباد)

سرورق میں نانا تاج الدین ناگپوریؒ کی جس کرامت کی تصویرکشی کی گئی ہے اس میں کئی نکات ہیں۔

۱۔ نانا تاج الدینؒ اور شیر کا تعلق دو مختلف نوعوں سے ہے۔

۲۔ نانا تاج الدینؒ انا کی لہروں کے علم سے واقف ہیں، شیر بھی کسی حد تک ان لہروں کو سمجھتا ہے۔

۳۔ عقیدت مندوں نے نانا صاحبؒ کو شیر سے پہلے کبھی ملتے ہوئے نہیں دیکھا۔ شیر کی تکلیف سے واقف ہو کر انہوں نے لہروں کے ذریعے اس کا علاج کیا اور وہ صحت مند ہو گیا۔ شیر کو جب موجودگی کی اطلاع ملی تو سلام کرنے حاضر ہوا۔ یہ ایک درندے کی احسن تقویم انسان کی خدمت میں حاضری تھی۔

۴۔ اولیائے کرام اس طرح نہ جانے کتنے لوگوں کی مدد کرتے ہوں گے جس کی اطلاع بزرگوں سے ملتی رہتی ہے۔

۵۔ انا کی لہروں کے لئے فاصلے بے معنی ہیں۔ یہ لہریں کائنات میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں اس لئے ان لہروں کی معرفت رکھنے والے جس مقام پر چاہیں، لہروں میں متشکل ہو سکتے ہیں۔

۶۔ فرد انا کی لہروں سے تخلیق ہوتا ہے۔ انا کی ایکویشن معلوم ہو جائے تو کائنات نقطہ میں سمٹ جاتی ہے۔

۷۔ شعور سے واقف بندہ لاشعور سے واقف ہو جاتا ہے۔ (ماریہ عباد۔ نیویارک)

کائنات کی ہر مخلوق مخفی لہروں کے ذریعے آپس میں ربط رکھتی ہے۔لہر دراصل روشنی ہے اور روشنی وہ علم ہے جو اللہ رب العزت اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔اللہ کی رحمت کے تحت یہ بندے ہر نوع کے لئے سراپا رحمت بن جاتے ہیں۔ان کے اور مخلوق کے درمیان انا کی لہروں کے ذریعے رابطہ ہوتا ہے۔انا کی لہریں زمان و مکان میں ہر جگہ ہیں اس لئے ان کا علم رکھنے والے بندے بھی زمان و مکان میں آزادی سے سفر کرتے ہیں۔

زیرِ نظر سرورق حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے عرس کی مناسبت سے ہے۔اس میں بابا صاحبؒ اور شیر کے درمیان خیال یا انا کی لہروں کے ذریعے ربط ہے۔انسان احسن تقویم ہے لہٰذا اسے تصرف کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔بابا تاج الدینؒ انا کی لہروں کے ذریعے شیر کے حال سے باخبر ہوئے اور اس کی مدد فرمائی۔

حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ انا کی لہروں کے بارے میں فرماتے ہیں،

> ''سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار مانتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کردے۔البتہ انا کی لہریں لاتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔''

(ڈاکٹر زبیر احمد۔کراچی)

''ماہنامہ قلندر شعور'' کا سرورق شان دار ہوتا ہے۔دیکھتے ہی اندر تک سکون اتر جاتا ہے۔اگست 2019ء کا سرورق اپنی مثال آپ ہے۔نانا تاج الدینؒ کی ہستی تعارف کی محتاج نہیں۔وہ کائناتی فارمولوں اور انا کی لہروں سے واقف ہیں۔ایسی ہستی کائنات اور کائنات کی مخلوق کو جانتی اور پہچانتی ہے۔اسی طرح مخلوق بھی ان ہستیوں سے آگاہ ہوتی ہے اور ان کے آگے سرنگوں کر دیتی ہے۔ایک مثال نانا تاج الدینؒ کی شیر سے ملاقات ہے۔

وہ شیر سے واقف تھے۔شیر بھی ان سے واقف تھا۔جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں تو محبت کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔مثلاً ماں بچوں سے محبت کرتی ہے تو سینے سے لگاتی ہے، چومتی ہے اور ان کا خیال رکھتی ہے۔اسی طرح شیر نے محبت کی لہروں کو قبول کیا اور فرطِ محبت سے نانا صاحبؒ کے تلوے چاٹنے لگا۔

رابطے کے دو طریقے ہیں۔ایک رابطہ بالمشافہ ملاقات اور دوسرا رابطہ لہروں کے ذریعے ہوتا ہے۔لہروں کے علم سے واقف ہونے کا طریقہ ''اندر میں'' علم حاصل کرنا ہے۔ (صائمہ نصیر۔فیصل آباد)

قیمتی پیالہ

بادشاہ کے پاس ایک شخص بے حد قیمتی پیالہ لایا جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ وہ قیمتی اور حسین تحفے سے بہت خوش ہوا۔ اسی پیالے میں پانی پیتا اور احتیاط سے پکڑتا کہ ٹوٹ نہ جائے۔ پانی کی نعمت کے بجائے پیالے میں جڑے قیمتی جواہرات بادشاہ کے لئے اہم ہو گئے۔

وزیرِ خاص دانا شخص تھا۔ بادشاہ نے ایک روز اس سے پوچھا کہ یہ پیالہ تمہیں کیسا لگا؟

اس نے کہا، میں اس پیالے کے ساتھ رنج و غم اور نقصان دیکھتا ہوں۔

بادشاہ نے تعجب سے پوچھا، وہ کیسے —؟

وزیر نے کہا، پیالے کے آنے سے پہلے آپ پانی پینے پر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ اب ہر وقت فکر رہتی ہے کہ پیالہ ٹوٹ نہ جائے۔ مٹی سے بنا ہے اور ایک روز ٹوٹ جائے گا۔ ٹوٹنے سے رنج ہوگا اور اگر یہ گم ہو گیا تو نقصان ہوگا۔ بادشاہ یہ سن کر تھوڑی دیر رکا اور پھر نظر انداز کر دیا۔

ایک روز پیالہ ٹوٹ گیا۔ بادشاہ کو بے حد رنج ہوا۔ وزیرِ خاص کی بات یاد آئی تو کہا، مردِ دانا نے سچ کہا تھا۔

سبق: دنیا کتنی خوب صورت کیوں نہ ہو، اس کا حسن دل فریب ہے۔ ہر شے فانی اور فانی شے کو اہمیت دینے کا انجام حزن و ملال ہے۔ پتھروں کی چمک دیکھ کر بادشاہ پانی کی چمک بھول گیا جب کہ پانی زندگی ہے۔ شکر ادا کر کے پانی پیتا اور پیالہ استعمال کرتا تو ذہن فریب سے محفوظ رہتا اور وہ نعمت سے استفادہ کرتا۔

حقیقت کے بجائے تغیر میں دل لگ جائے تو نتیجہ رنج و پریشانی ہے۔ شاعر نے کہا ہے،

گرچہ ظاہر میں صورتِ گُل ہے — پر حقیقت میں خار ہے دنیا
ایک جھونکے میں ہے ادھر سے ادھر — چار دن کی بہار ہے دنیا
زندگی نام رکھ دیا کس نے — موت کا انتظار ہے دنیا

نیّراعظم

برقی خط

کبوتروں، تیز گھڑسواروں اور ٹیلی گرام کے بعد رفتار کا یہ عالم ہے کہ بٹن دباتے ہی خط دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں پہنچ جاتا ہے۔ آخر وہ کون ہے جو آپ کا خط لے کر جاتا ہے؟

کبوتر کو بعض صلاحیتیں دوسرے پرندوں سے منفرد بناتی ہیں جس کی وجہ سے نوع آدم نے پیغام پہنچانے کی اہم ذمہ داری اس کے حوالے کی اور صدیوں یہ پرندہ آدم زاد کی خدمت میں مصروف رہا۔ اگرچہ موجودہ دور میں مواصلات کے جدید نظام کی وجہ سے آدمی نے کبوتروں کو آرام دے دیا ہے لیکن اب بھی کہیں نہ کہیں یہ نامہ بری کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

کبوتر کی اہم صلاحیت صرف یہ نہیں کہ وہ جگہیں یاد رکھتا ہے بلکہ اسے کچھ دیا جائے تو قاصد کی ذمہ داری بدرجۂ اتم پوری کر کے جواب لاتا ہے۔ اس دوران اگر کوئی شکاری پرندہ کبوتر کا شکار کر لے تو خط راستے میں رہ جاتا ہے لیکن آپ کو پڑھ کر تعجب ہوگا کہ کبوتر کی ایک منفرد صلاحیت یہ ہے کہ اس کا شکار کرنا عقاب کے لئے بھی آسان نہیں۔ عقاب کو خاص تراکیب سے کام لینا پڑتا ہے تب وہ کبوتر کا شکار کرتے ہیں ورنہ یہ پرندہ ان کے ہاتھ نہیں آتا۔

کبوتروں کے ساتھ اہم خطوط کی نامہ بری کے لئے قاصدوں کا سلسلہ بھی موجود رہا جس میں قاصد پیغام کو لے کر جاتا اور جواب لاتا تھا۔ اس نظام میں جدت آئی اور مخصوص فاصلوں پر چوکیاں بنا کر قاصد رکھے گئے۔ پیغام ایک چوکی تک آتا تو وہاں پہلے سے موجود تازہ دم قاصد پیغام لئے دوسری چوکی کی طرف روانہ ہو جاتا۔ یہ اس طریقہ سے بہتر اور تیز تھا جس میں پیغام لے جانے والا ایک ہوتا تھا۔

نامہ بری کی ذمہ داری جب جہازرانی کی صنعت کے حصہ میں آئی تو خطوط کا حصول ایک مسئلہ رہا کیوں کہ پیغام طویل وقفے کے بعد ملے گا یا واپس آنے پر ہی حالات سے آگاہی ہوگی۔ اس وجہ سے جہازوں میں سفر کرنے والے افراد کافی عرصہ تک ملکی حالات سے بے خبر رہتے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ جب انہوں نے سفر کا آغاز کیا تو ملک میں جس بادشاہ کی حکومت تھی، واپسی پر اس کی جگہ دوسرا بادشاہ براجمان ہوتا۔

تیز رفتار پیغام رسانی کی ضرورت نے وقت کے ساتھ محققین کو اس سمت میں مصروف رکھا کہ وہ نئے

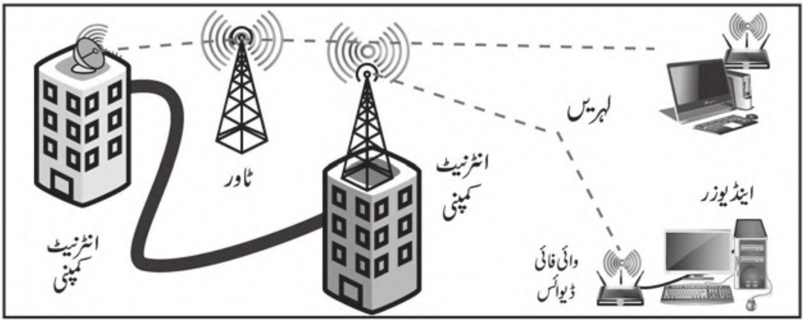

راستے تلاش کریں، تلاش بالآخر انہیں کہاں تک لے کر آئی ہے۔۔۔اب احوال پڑھئے۔

قارئین! چوکیوں کا نظام آج بھی قائم ہے، صرف قاصد کی نوعیت تبدیل ہوگئی ہے۔ پہلے ہر چوکی پر قاصد کھڑے کئے جاتے تھے جو ایک چوکی سے دوسری چوکی کا فاصلہ گھوڑے پر تیز رفتاری سے طے کرتے تھے۔ جب کہ آج کا قاصد تاروں پر سفر کرتا ہے اور تاروں کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں یہ ہواؤں میں بھی اڑتا ہے۔ یعنی آج خط لے جانے والے نامہ برنے کبوتر اور گھڑ سوار کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

پاکستان میں موجود ایک شخص کو امریکا میں اپنے دوست کو خط لکھنا ہے، وہ کیا کرے؟ کبوتر والے کے پاس جائے، گھڑ سوار قاصد کو بلائے، ریل گاڑی یا جہاز کے ذریعے بھیجے یا کمپیوٹر کے ذریعے ای میل بھیج دے جو لگ بھگ بارہ ہزار میل کے سفر کو سیکنڈوں میں طے کرلیتی ہے؟ آپ کہیں گے جو قاصد سیکنڈوں میں خط پہنچا دے اسے استعمال کرنا چاہئے۔

پڑھنے والوں کی دل چسپی کے لئے ہم ای میل کے بارے میں بتائیں گے کہ یہ کس طرح ہزاروں میل کا فاصلہ لمحوں میں طے کرتی ہے۔

ای میل کے ذریعے رابطے کے لئے کمپیوٹر یا اسمارٹ فون کا ہونا ضروری ہے۔ دونوں میں ای میل کی ترسیل کا نظام ایک ہے۔ ہم کمپیوٹر کی مثال لیتے ہیں۔

کمپیوٹر آپس میں ایک دوسرے سے رابطہ کرسکتے ہیں جسے نیٹ ورکنگ کہا جاتا ہے۔ کمپیوٹر کسی دوسرے کمپیوٹر سے رابطہ کئے بغیر بھی کام کرتا ہے۔ یہ نیٹ ورک دو یا دو سے زیادہ کمپیوٹر پر مشتمل ہوتا ہے اور آپس میں دو طرح سے رابطہ کرتا ہے، کیبل کے ذریعے یا بغیر کیبل یعنی وائی فائی کے ذریعے۔ کیبل کے ذریعے جو پیغامات جاتے ہیں وہ برقی لہروں کی صورت میں ہوتے ہیں جب کہ وائی فائی میں پیغامات ایسی لہروں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں جن کو ریڈیو لہریں کہا جاتا ہے۔ البتہ پیغام کو زیادہ دور تک بھیجنے کے لئے کیبل کا استعمال کیا جاتا ہے۔

نیٹ ورک دو طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ پرائیویٹ ۲۔ پبلک

پرائیویٹ نیٹ ورک اداروں میں کمپیوٹروں کے آپس میں رابطوں کے کام آتے ہیں اور اس میں داخل ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ پبلک نیٹ ورک یعنی ایسے نیٹ ورک جہاں ایک کمپیوٹر آزادانہ قریب یا دور موجود دوسرے کمپیوٹر سے رابطہ کرسکتا ہے۔ پبلک نیٹ ورک کو عام زبان میں انٹرنیٹ کہا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ ایک ہم یعنی اینڈ یوزر (End User)

۲۔ وہ کمپنی جو ہمیں انٹرنیٹ فراہم کرتی ہے

۳۔ ریڑھ کی ہڈی یعنی بیک بون

آپ نے خبروں میں سنا ہوگا کہ سمندر کے نیچے انٹرنیٹ کیبل ٹوٹنے کی وجہ سے انٹرنیٹ کنکشن میں تعطل آجاتا ہے۔ اس کیبل کو بیک بون کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد پر دنیا لاسلکی (بے تار برقی۔wireless) طور پر ایک دوسرے سے رابطے میں رہتی ہے اور لوگوں کی انٹرنیٹ کے ذریعے دور قریب رسائی ہوجاتی ہے۔

عموماً ممالک ایک سے زیادہ بیک بون پر انحصار کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی کیبل ٹوٹ جائے تو رابطہ مکمل طور پر ٹوٹنے کے بجائے دوسرے کیبل کے ذریعے بحال رہے مگر اس طرح انٹرنیٹ پر بھیجے جانے والے سگنلوں کی رفتار میں کمی آجاتی ہے۔

انٹرنیٹ پر پیغام بھیجنے کے مختلف طریقے ہیں جن میں سے آسان، محفوظ اور مشہور طریقہ ای میل ہے۔ ای میل کے معنی الیکٹرانک میل یعنی برقی خط ہے۔ نام کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے الفاظ بجلی کا روپ دھار کر ایک جگہ سے دوسری جگہ برقی رفتار سے حرکت کرتے ہیں۔

جب خط ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتا ہے تو اسے بھیجنے اور وصول کرنے والا موجود ہوتا ہے۔ جس طرح ہمارے گھروں کے پتے (ایڈریس) ہوتے ہیں اسی طرح ای میل کا بھی پتہ ہوتا ہے جسے ای میل ایڈریس کہتے ہیں۔ فرد اپنے ای میل ایڈریس سے کسی دوسرے ای میل ایڈریس پر برقی خط بھیجتا ہے تو اس کا خط لمحوں میں پوری دنیا کا چکر لگا کر مطلوبہ مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ چوں کہ ای میل کا نظام ہر ملک میں ہے، اس لئے ایک ای میل ایڈریس پوری دنیا میں صرف ایک شخص کا ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر ای میل جاتی کیسے ہے؟

آدمی اور کمپیوٹر میں رابطے کا ذریعہ کی بورڈ اور اسکرین ہے۔ کی بورڈ وہ شے ہے جس پر حروف، اعداد اور کمپیوٹر کی زبان کی مناسبت سے مختلف علامتیں نقش ہوتی ہیں۔ کی بورڈ کے ذریعے آدمی کمپیوٹر کو پیغامات اور احکامات دیتا ہے۔ نتیجے میں کمپیوٹر اسکرین کے ذریعے جواب دیتا یا تعمیل کی اطلاع دیتا ہے۔ آدمی اور کمپیوٹر کی یہ بات چیت ہارڈ ویئر اور سافٹ ویئر کے ذریعے ہوتی ہے۔

ہارڈ ویئر اور سافٹ ویئر کیا ہے—؟

۱۔ ہارڈ وئیر میں کمپیوٹر کے تمام آلات شامل ہیں۔

۲۔ سافٹ ویئر وہ کمپیوٹر پروگرام ہے جو کسی کام کو کرنے کی سمجھ رکھتا ہے۔مزید آسان الفاظ میں اس طرح سمجھیں کہ سافٹ ویئر میں کسی کام کو کرنے کا طریقِ کار متعین ہوتا ہے۔

جیسے اس مضمون کو لکھتے وقت اردو سافٹ ویئر استعمال ہوا۔جب کی بورڈ پر ایک key (بٹن) جس پر ”a“ لکھا تھا، دبایا تو جواب میں سافٹ ویئر کی وجہ سے اسکرین پر ”ا“ ظاہر ہوا۔یعنی اردو لکھنے کے لئے جو سافٹ ویئر استعمال کیا گیا، اس میں ”ا“ لکھنے کے لئے ”a“ کی key مخصوص تھی۔اسی طرح جب اس سافٹ ویئر کو یہ مضمون محفوظ کرنے کا حکم ملا تو سافٹ ویئر نے مضمون محفوظ کر دیا۔

ای میل بھیجنے والا کمپیوٹر سافٹ ویئر سب سے پہلے ہمارا برقی پتہ یعنی ای میل ایڈریس دیکھتا ہے، پھر ان لوگوں کا پتہ معلوم کرتا ہے جنہیں ای میل بھیجنی ہے اس کے بعد خط کا برقی سفر شروع ہوتا ہے۔

خط کے برقی سفر کی آسان اور مختصر تفصیل یہ ہے:

ہمارے الفاظ برقی اشاروں میں تبدیل ہو کر کمپیوٹر میں نیٹ ورک کیبل کے ذریعے وائی فائی ڈیوائس تک جاتے ہیں جو ان برقی اشاروں کو لہروں میں تبدیل کر کے اس کمپنی کے قریب ترین ٹاور تک پہنچاتا ہے جس سے آپ نے انٹرنیٹ کنکشن لیا ہے۔چوں کہ ان لہروں کی پہنچ یا حد کم ہوتی ہے اس لئے یہ زیادہ دور تک نہیں جاسکتیں اور موبائل ٹاور کی مدد لیتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جہاں موبائل ٹاور دور ہوں تو سگنل کم ہونے کی وجہ سے انٹرنیٹ کی سروس سست ہو جاتی ہے اور ٹاور دور ہونے کی وجہ سے انٹرنیٹ سروس نہیں پہنچ پاتی۔

موبائل ٹاور ان سگنلوں کو اتنی طاقت دیتے ہیں کہ یہ لہریں اگلے موبائل ٹاور تک پہنچتی ہیں اور اس طرح ٹاور سے ٹاور کا سفر کرتے ہوئے یہ لہریں اس کمپنی کے دفتر تک پہنچتی ہیں جہاں سے آپ نے انٹرنیٹ کنکشن لیا ہے۔اب اس کمپنی میں یہ لہریں دوبارہ برقی سگنلوں میں تبدیل ہوتی ہیں اور کیبل کے ذریعے اس کمپنی تک پہنچتی ہیں جو کسی ملک میں انٹرنیٹ کمپنیوں کو کنکشن فراہم کرتی ہے۔یہ کمپنی ایسے نیٹ ورک سے ملی ہوئی ہوتی ہے جسے ریڑھ کی ہڈی یعنی بیک بون کہا جاتا ہے۔

جس طرح مخلوقات میں ریڑھ کی ہڈی جسم کو سہارا دیتی ہے اور جسم اس ہڈی کے ذریعے کھڑا ہوتا ہے اسی طرح انٹرنیٹ بیک بون وہ سہارا ہے جس کے ذریعے رسائی دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ہو جاتی ہے۔بالکل اسی طرح ای میل ایک کمپیوٹر سے نکل کر ہوا اور کیبلوں کے ذریعے سفر کرتی ہوئی چند لمحوں میں دنیا بھر کا چکر لگا کر مطلوبہ فرد کے کمپیوٹر تک پہنچتی ہے۔اس سفر میں مختلف دھاتوں سے بنے ہوئے کمپیوٹر، کیبل اور ٹاور اہم خدمات انجام دیتے ہیں جن پر آئندہ کسی اور مضمون میں بات ہوگی۔

عابد محمود

گاؤں کی بیٹی سب کی بیٹی

سکّہ پہیے کی طرح گھومتا ہوا ماسٹر حمید سے دور جاتے ہوئے دینو کے قریب آیا اور اس کے پیر سے ٹکرا کر لڑکھڑانے کے بعد ساکت ہوگیا۔

دینو تانگے والے نے رات کے پچھلے پہر گھر کے پچھواڑے میں تانگا کھڑا کیا۔ نظر تانگے کی پچھلی سیٹ کے نیچے چمڑے کے بیگ پر پڑی۔ حیران ہوا کہ یہ بیگ کس کا ہوسکتا ہے۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ زپ کھولی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اندر نوٹ ہی نوٹ تھے۔

فوراً بیگ بغل میں دبا کر گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھا کمرے کا رخ کیا جہاں اپنی چارپائی کے نیچے بیگ چھپا دیا اور منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھانے کے لئے صحن میں جا کر بیٹھ گیا۔

ذہن چمڑے کے بیگ میں الجھا ہوا تھا۔ بیٹی ابا کے لئے کھانا گرم کررہی تھی۔ کھانا باپ کے سامنے رکھتے ہوئے نظر بیٹی کی مانگ پر پڑی تو کھچڑی کا گمان ہوا اور بیٹی کے سر میں کالے بالوں کے ساتھ سفید بال بھی نظر آئے۔ حسرت سے بیٹی کو دیکھا جس کی شادی کی عمر نکل رہی تھی۔ نوالہ لیتے ہوئے سوچا کہ اگر اس سال بھی شادی نہ ہوئی تو پھر اس کے لئے شادی شدہ مردوں یا چار پانچ بچوں کے باپ کے سوا کوئی رشتہ نہیں رہے گا۔ نوالہ حلق میں اٹک گیا۔ زندگی کی ڈور برقرار رکھنے کے لئے چند نوالے حلق سے اتارنے کی کوشش کی اور پھر کھانے سے ہاتھ اٹھالیا۔

بیٹی نے باپ کو کھانا چھوڑتے ہوئے دیکھا تو کہا، بابا کھانا تو آرام سے کھائیں۔ سارا دن تانگا چلا کر بھی آپ کم کھانا کھائیں گے تو بیمار ہوجائیں گے۔

نہیں بیٹا، جی نہیں چاہ رہا۔ برتن سمیٹ لو۔ مجھے نیند آرہی ہے۔ یہ کہتے ہوئے دینو کمرے میں آگیا۔

چارپائی کے نیچے رکھے بیگ کو کھولا۔ ان پیسوں سے وہ دھوم دھام سے بیٹی کی شادی کرسکتا تھا۔ تخیل میں بیٹی کے ہاتھوں پر لگی ہوئی مہندی دیکھی اور مسکرا کر بیگ دوبارہ چارپائی کے نیچے چھپاتے ہوئے بستر پر لیٹ گیا۔ نیند کوسوں دور تھی۔

ضمیر نے ملامت کی کہ دینو کیا تم ان پیسوں کے بدلے اپنا ضمیر بیچ دو گے —؟ رقم نہ جانے کس کی ہے اور وہ اس کے کھو جانے پر کتنا پریشان ہوگا۔ ہوسکتا ہے اس کی بھی بیٹی ہو جس کے لئے رقم اکھٹی کی ہو۔ کیا تم

اپنی بیٹی کے لئے کسی کی بیٹی کا نصیب چھین لوگے؟

نفس اور ضمیر میں جنگ شروع ہو چکی تھی۔ بیٹی کے بالوں میں چاندی آنکھوں کے سامنے آجاتی۔ تلخی سے سوچا کہ سارا دن کی محنت کے بعد میں اتنا نہیں کما سکتا کہ بیٹی کی شادی کر سکوں۔ یقیناً بیگ کا ملنا غیبی مدد ہے۔ جہاں تک رقم والے کا تعلق ہے تو یاد پڑتا ہے کہ آخری سواری کو میں نے قصبے کے پوش علاقے سے اسٹیشن کے قریب اتارا تھا۔ صاحب حیثیت معلوم ہوتا تھا۔ بیگ کھونا اس کے لئے کیا معنی رکھتا ہوگا۔

لیکن رقم پر تمہارا حق نہیں۔ یہ کسی کی امانت ہے۔ ضمیر نے احتجاج کیا۔ تم گھر کے بستر پر لیٹ کر یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ بیگ والا امیر ہے یا غریب۔ تمہیں امین بن کر رقم لوٹانی چاہئے۔ دینو تانگے والا ساری رات ضمیر اور نفس کی عدالت میں دونوں کے دلائل سنتا رہا بالآخر صبح ہونے سے پہلے ضمیر کے سامنے ہار مان لی۔

اگلے روز دینو نے بیگ کے مالک کو تلاش کیا اور آخر کار گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

گھر دیکھ کر لگتا نہیں تھا کہ یہاں کوئی امیر شخص رہتا ہوگا۔ کچھ دیر انتظار کے بعد دروازے کی اوٹ سے نسوانی آواز سنائی دی۔ کون؟

جی میں دینو تانگے والا۔ مہذب لہجے میں بتایا۔

جی فرمائیے کیا کام ہے؟

کل آپ کے گھر سے تھوڑا دور، جہاں پر چوہدری اقبال کا گھر ہے، ایک صاحب تانگے میں بیٹھے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ یہاں رہتے ہیں۔ ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ دینو نے بیگ کا تذکرہ گول کر دیا۔

دروازہ فوراً کھلا اور اس کی بیٹی کی عمر کی لڑکی نے تجسس سے پوچھا، آپ کو ابا کی خبر کیسے ہوئی؟

کیا ہوا آپ کے ابا کو—؟ دینو فکرمند ہو گیا۔

وہ رات سے اسپتال میں ہیں۔ چوہدری صاحب کے یہاں منشی ہیں۔ کل ان کی تین لاکھ کی رقم لے کر گھر سے نکلے تو بیگ گم ہو گیا۔ صدمے سے طبیعت بگڑ گئی۔ لڑکی نے دکھ بھرے لہجے میں بتایا۔

دینو نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھا اور تانگے میں سے بیگ لا کر دکھاتے ہوئے کہا، بیٹا یہ بیگ آپ کے ابا میرے تانگے میں بھول گئے تھے۔ یہ امانت ہے اس لئے شناخت کے بعد دینا چاہتا ہوں۔

لڑکی نے حیرت سے بیگ کو دیکھا۔ چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ تشکر سے بولی، چچا! آپ نے میرے ابا کو مرنے سے بچا لیا۔ ان پر پہلے ہی دو جوان بیٹیوں کا بوجھ ہے۔ آپ میرے ساتھ اسپتال چلیں۔

اسپتال میں رات والی سواری کو بستر پر پریشان حال دیکھا تو سخت شرمندگی ہوئی۔ اس شخص نے کانپتے ہاتھوں سے بیگ لیا اور دینو کے ہاتھ چوم لئے۔

ضمیر اس فیصلے پر شاداں تھا۔

دینو تانگے والے کے آتے ہی قصبے کے چوہدری نے

اپنے پاس جگہ دیتے ہوئے کہا، دینو بھائی یہاں بیٹھ جائیں۔ وہ تردد کے بعد چوہدری کے ساتھ بیٹھ گیا اور سوالیہ نظروں سے سب کو دیکھا۔

دنیا اس طرح بدلتی ہے، وہم وگمان میں نہیں تھا۔ وہ عام آدمی تھا۔ دن بھر قصبے کی سڑکوں اور کچے راستوں پر تانگا چلا کر لوگوں کو منزل تک پہنچاتا لیکن عزت نہیں ملی۔

ہوا یہ کہ جب چوہدری اقبال کو منشی چراغ دین کے ساتھ پیش آئے واقعے کی خبر ہوئی تو دیانت داری پر سراہنے کے لئے دینو کو پنچایت میں بلایا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا، میری تین لاکھ کی رقم منشی چراغ دین کے پاس تھی۔ غلطی سے بیگ دینو کے تانگے میں بھول گیا۔ تین لاکھ بڑی رقم ہے۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے جو سارا دن محنت مزدوری کرتے ہیں۔ منشی چراغ دین کو یاد نہیں تھا کہ بیگ کہاں بھول آیا ہے لیکن دینو نے غربت کی چکی میں پسنے کے باوجود منشی صاحب کو تلاش کر کے بیگ حوالے کیا۔ نفسانفسی کے اس دور میں یہ دنیا ایسے نیک صفت اور باضمیر لوگوں کی وجہ سے قائم ہے۔ دینو نے دیانت داری کا مظاہرہ کر کے ہمارے قصبے کا نام روشن کیا ہے۔

پنچایت میں لوگوں نے دینو تانگے والے کو ستائشی نظروں سے دیکھا۔ خبر آناً فاناً قصبے میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ اب لوگ دینو کی ایمان داری کی مثالیں دیتے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ اس کے باوجود دینو کی زندگی میں تبدیلی نہیں آئی۔ وہی دن رات کی مشقت، گھر میں بیمار بیوی اور بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھنے والی بیٹی نصیب کی چکی میں پس رہی تھی۔ البتہ گھر والوں کو فخر تھا کہ وہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے اور غربت کے باوجود ضمیر کا سودا نہیں کیا۔

سخت گرمی میں دینو نے پسینا صاف کرتے ہوئے اسکول کے سامنے ماسٹر حمید کو کھڑا دیکھا۔ ماسٹر جی آجائیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ جب سے ماسٹر حمید نے دینو کے بارے میں سنا تھا اس کے معترف تھے۔ اکثر بچوں کو اس کی مثال دیتے تھے۔ مسرت سے دینو کو دیکھا اور تانگے میں بیٹھ گئے۔

دینو نے گھوڑے کی لگاموں کو مخصوص انداز میں حرکت دی۔ گھوڑا مالک کے اشاروں کو سمجھتا تھا۔ سڑک پر ٹک ٹک کی مخصوص آواز گونجنے لگی۔

بیٹی کی شادی ہوگئی ہے؟ ماسٹر حمید نے پوچھا۔

نہیں ماسٹر جی! قدرت کو نہ جانے کیا منظور ہے۔ اس کی ڈھلتی عمر دل پر کیا ستم ڈھاتی ہے یہ باپ ہی سمجھ سکتا ہے۔ دینو نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

یہ بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب بیٹے بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔ ماسٹر حمید نے دعا دی۔

ماسٹر صاحب لوگ نہ جانے بچوں کی تربیت کس طرح کرتے ہیں کہ اولاد چاہتی ہے کہ بیوی کھاتے پیتے گھر سے تعلق رکھتی ہو۔ آپ تو جانتے ہیں کہ اب دولت لوگوں کا دین ہے۔ حالاں کہ یہ سب فانی چیزیں

ہیں۔ اگر بچوں کو محض ایمان داری کی تعلیم دے دی جائے تو مسائل حل ہو جائیں گے۔

دینو تم ایمان دار ہو اور یہ بات ایمان دار شخص ہی کرسکتا ہے۔ تم نے تنگ دستی میں دیانت داری کا جو ثبوت دیا وہ ہمارے دلوں میں تازہ ہے۔ میں اسکول میں بچوں سے کہتا ہوں کہ دینو کی طرح ایمان دار اور دیانت دار بنو۔ دینو نے فخر سے سینہ پھلاتے ہوئے کہا، ماسٹر جی! میں نے جو کیا وہ میرا فرض تھا۔

اپنی تعریف سننا اب اسے اچھا لگتا تھا۔ کوشش ہوتی تھی کہ بات بے بات یہ موضوع چھڑ جائے۔ نفس کو تعریف سن کر تقویت ملتی تھی۔

چوک پر پہنچ کر تانگا روکا اور اترتے ہوئے کہا، ماسٹر جی آپ کی منزل آ گئی ہے۔ اس نے گرمی کی شدت دیکھتے ہوئے گھوڑے کو تھپکی دی پھر ملک پان والے کی دکان کے باہر نل کے نیچے سے ٹب اٹھایا اور گھوڑے کے سامنے رکھ دیا۔

ماسٹر حمید نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسے نکالے تو کچھ نوٹوں کے ساتھ چند سکے چھن کی آواز سے سڑک پر گرے۔ ان میں پانچ روپے کا سکّہ پہیے کی طرح گھومتا ہوا ماسٹر حمید سے دور جاتے ہوئے دینو کے قریب آیا اور اس کے پیر سے ٹکرا کر لڑکھڑانے کے بعد ساکت ہو گیا۔ دینو نے خاموشی سے پیر پانچ روپے کے سکّے پر رکھ دیا۔ ماسٹر حمید سڑک سے پیسے اٹھانے کے لئے جھکے۔ پھر تسلی کی کہ کہیں کوئی سکّہ سڑک پر تو نہیں رہ گیا۔ انہیں اس سکّے کی خبر نہیں تھی جس پر دینو نے پیر رکھ دیا تھا۔

آدمی مثبت اور منفی کی آمیزش ہے۔ اگر اچھائی ہوتی ہے تو اسے اللہ کی کرم نوازی کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا جس نے اچھائی کا موقع فراہم کیا اور ضمیر کو روشن کر دیا وگرنہ منفی رخ بھی آدمی کے اندر موجود ہے۔

ماسٹر حمید نے دینو کو کرایہ دینا چاہا تو وہ گم سم کھڑا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔

دوسری طرف حقیقت سے بے خبر ماسٹر حمید نے دینو کو محبت سے دیکھا کہ یہ شخص اساتذہ کی کتنی عزت کرتا ہے ان سے کرایہ نہیں لینا چاہتا۔ انہوں نے پیسے دینو کے ہاتھ پر رکھے اور تھپکی دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

دینو نے اپنی ایمان داری کے بت کو چکنا چور اور پاش پاش ہوتے دیکھا تو سوچا کہ تین لاکھ کی رقم پر ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے والا پانچ روپے کے سکّے پر نفس کو نہ روک سکا۔ غلطی کا احساس ہوتے ہی فوراً آواز دی،

ماسٹر جی! ماسٹر جی! سکّہ رہ گیا بھائی۔ کہاں چل دیئے۔ اپنا سکّہ لیتے جائیے۔ ماسٹر حمید واپس آئے۔

دینو بولا، ماسٹر جی! یہ پانچ روپے رہ گئے ہیں۔

ماسٹر جی نے خاموش نگاہوں سے دینو کو دیکھا۔ چہرے پر جھریاں اور بالوں میں گرد بتا رہی تھی کہ یہ شخص اب بہت تھک گیا ہے لیکن اس کے باوجود حالات سے ہار نہیں مانتا۔ آخر اتنے اچھے شخص کی بیٹی سے کوئی شادی کیوں نہیں کرتا——؟

دینو سے کہا، میں تمہاری ایمان داری سے بہت متاثر ہوں۔ پوری کوشش کروں گا کہ بیٹی کی ذمہ داری ادا کرنے میں مدد کروں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے، تمہاری بیٹی میری بیٹی ہے۔ یہ کہہ کر وہ مڑ گئے۔

دینو حیران ہو کر انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

اگلے روز ماسٹر صاحب قصبے کے چوہدری اقبال کے پاس گئے اور کہا، چوہدری صاحب! کیا اس بستی کی بیٹی آپ کی بیٹی نہیں ہے ___؟

چوہدری اقبال نے جذباتی ہو کر کہا، کیوں نہیں!

ماسٹر حمید بولے، پھر ہمیں ایسا پروگرام بنانا چاہئے کہ ہماری بیٹیاں بالوں میں سفیدی آنے سے پہلے اپنے گھر کی ہو جائیں۔ منشی چراغ دین بھی وہاں موجود تھا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے کیوں کہ اس کی بیٹیاں بھی اب تک رخصت نہ ہو سکی تھیں۔

ماسٹر حمید نے کہا، چوہدری صاحب آپ جانتے ہیں کہ میرے باپ دادا کے زمانے میں لوگ جب بیٹیوں کی شادیاں کرتے تھے اور ایسے میں جس کو دعوت نہیں دی جاتی تھی تو وہ بیٹی کی شادی کی خبر سن کر بن بلائے شادی میں شرکت کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ افراد جن کی دشمنیاں تھیں جب بیٹی کی شادی ہوتی تو جس سے دشمنی تھی وہ بن بلائے شادی میں شریک ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ دشمنی اپنی جگہ لیکن بیٹی بستی کی!

ماسٹر حمید بولے، چوہدری صاحب! جانتے ہیں اس وقت مشہور تھا کہ گاؤں کی بیٹی، پورے گاؤں کی بیٹی!

چوہدری اقبال کی آنکھیں نم ہو گئیں اور کہا، میں اس کارِ خیر میں شریک ہوں۔ ہم لوگ اپنے اسلاف کا قیمتی سبق بھول گئے کہ گاؤں کی بیٹی، سب کی بیٹی۔

ماسٹر حمید پر عزم لہجے میں بولے، پنچایت بلائیں اور اس پروگرام میں بستی والوں کو شامل کریں۔ ابتدا میں کروں گا۔ گاؤں والوں کے سامنے اپنے بیٹے کے لئے دینو تانگے والے کی بیٹی کا رشتہ مانگ کر!

اگلے روز گاؤں والوں کو اس نیک کام کا علم ہوا تو ہر چہرے پر شادمانی تھی۔ دینو تانگے والا بے یقینی سے سب سن رہا تھا۔ پھر جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور رو دیا۔

آنسو کیا بہے، چوہدری اقبال کے ڈیرے پر موجود افراد کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ احساس ہوا کہ ہم نے گاؤں کی بیٹی کو اپنی بیٹی نہ سمجھ کر سب کے ساتھ ظلم کیا ہے۔

دینو نے آسمان کی طرف دیکھا اور شکر ادا کیا کہ ضمیر کی راہ نمائی نے اسے غلط فیصلے سے بچا لیا جس سے اس کی بیٹی سمیت گاؤں کی بیٹیوں کی قسمت کھل گئی۔

چوہدری اقبال نے کہا، ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مل کر اپنی بچیوں کی شادیاں کریں۔ آج سے اس گاؤں میں کسی بیٹی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی، ہم اس کے لئے اچھے رشتے کا انتخاب کریں گے اور ہر شخص حسب استطاعت شادی کی تیاری میں مدد کرے گا کیوں کہ گاؤں کی بیٹی ہم سب کی بیٹی ہے۔

اقتباسات

"ماہنامہ قلندر شعور" کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم و بیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

کم زور ذہن شخص جس مشکل سے پریشان ہوتا ہے، مومن اس مشکل پر صبر کرتا ہے۔ مومن جس مشکل پر صبر کرتا ہے، مقرب بارگاہ بندہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ وہ مشاہدہ کر لیتا ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ معرفت حق سے فیض یاب ہونے والے صبر کی کٹھن وادیوں سے تسلیم و رضا کے ساتھ گزرتے ہیں اور سجدۂ شکر تک پہنچتے ہیں۔ یہی احسن تقویم انسان کی رفعت ہے اور یہی شانِ عبودیت ہے۔

(مرسلہ: محمد کاشان۔ کراچی)

زمین کا ہر ذرّہ آدم کی تصویر کا عکس ہے لیکن یہی ایک ذرّہ جب مشکّل اور مجسم ہوتا ہے تو فنا کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ آدمی مٹی میں دفن ہو کر پھر مٹی بن جاتا ہے۔ مٹی کے ذرّات بوقلمونی کے ساتھ پھر مشکّل اور مجسم ہو جاتے ہیں اور پھر فنا کے راستے پر چل کر مٹی میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ تحلیلِ نفسی کے اس مسلسل اور متواتر عمل سے آدمی کے اندر مٹی کی جفائیں برداشت کرنے کی سکت پیدا ہو جاتی ہے۔

(مرسلہ: سمیرہ عثمان۔ لاہور، کتاب، کشکول)

ناامیدی اور تن آسانی کے بڑے محرکات خوف اور لاپروائی ہیں۔ خوف ہمیشہ سے کم زور لوگوں کا دشمن ہے۔ یہ آپ کو بڑے خواب دیکھنے اور بڑے کام کرنے سے روکتا ہے۔ لاپروائی کی نسبت خوف آپ کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ آپ کسی چیز کے بارے میں زیادہ معلومات نہ رکھتے ہوں تو کوئی نیا کام شروع کرنے سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ لیکن اصل یہ ہے کہ آپ کو نیا کام ضرور کرنا چاہئے۔ کم علمی آپ کو خوف میں مبتلا کر دیتی ہے جس سے بے یقینی پیدا ہوتی ہے اور یہی ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔ (مرسلہ: بی بی عارفہ۔ کوئٹہ، کتاب: جیسے خیالات ویسی زندگی)

خالق کائنات نے اس دنیا کو محبت، خوشی، مسرت و شادمانی اور ایثار کا گہوارہ بنایا ہے۔ دنیا کی ہر شے دیدۂ بینا کو مسرت اور خوشی مہیا کرتی ہے۔ خوب صورت رنگ، رنگ بہ رنگ چڑیاں، فطرت کے شاہد مناظر، پانی کا اتار چڑھاؤ، پہاڑوں کی بلندی، آسمان کی رفعت، پھولوں کا حسن، درختوں کی قطاریں، تاروں بھری رات، روشن روشن دن، ماں کی آنکھوں میں محبت کی چمک، بچے کا مچلنا اور کلکاری بھرنا، بہن کی پاکیزگی، بھائی کا اخلاص، بیٹی کا تقدس، باپ کی شفقت یہ سب بلاشبہ نوع انسان کے لئے خوشی اور شادمانی کا سامان ہیں۔ ماں کی طرح زمین بھی یہی چاہتی ہے کہ اس کی اولاد پُرمسرت زندگی گزارے، زمین کو دوزخ نہ بنائے، زمین کے اوپر پھولوں کے بجائے انگاروں کی کاشت نہ کی جائے۔

(مرسلہ: وریشہ بتول، کتاب: آواز دوست)

لوگوں سے ان کی صلاحیت کے مطابق بات کرنی چاہئے۔ بات کرنے والے صاحب یا صاحبہ کو یہ غور کرنا چاہئے کہ مخاطب کی صلاحیت کتنی ہے اور شعوری استطاعت کتنی ہے۔ اگر دو سال کے بچے کے ساتھ کھلونے سے کھیلا جائے، بچے کو کمر پر بٹھا کر سیر کرائی جائے، بچے کے ذہن کے مطابق اس کے ساتھ چھیڑ خانی کی جائے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ لیکن اگر بچے کے شعور سے زیادہ بات کی جائے تو وہ آپ میں دلچسپی نہیں لے گا اور آپ کے پاس سے چلا جائے گا۔ یہی حال بڑے لوگوں کا ہے۔ ان کی سمجھ کے مطابق ان سے گفتگو کی جائے تو وہ غور سے سنتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بچوں سے بچوں کے ذہن کے مطابق اور بڑوں سے بڑوں کی صلاحیت کے مطابق بات کی جائے۔ (مرسلہ: شہر یار قریشی۔ لاہور)

ہر شخص طاقت کے مختلف پہلو نکالتا ہے۔ کئی لوگ پہلوان کی طرح جسامت کو طاقت سمجھتے ہیں، طاقت جس سے وہ کئی آدمیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ جسم میں خاص حد تک گوشت ہونا حقیقت میں ایک قسم کی طاقت ہے مگر طاقت کا لفظ نہایت وسیع ہے۔ وہ شخص جو دیکھنے میں موٹا دکھائی نہیں دیتا مگر وہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کرنے پر بھی نہیں تھکتا، ساٹھ ستّر سال عمر ہو جانے پر بھی جس کی آنکھیں، دماغ، سوچنے کی طاقت، کان وغیرہ سب ٹھیک کام کر سکتے ہیں۔ ایسا شخص اس پہلوان کی نسبت زیادہ طاقت ور ہے جو پچاس سال کی عمر کا ہو جانے پر زیادہ چربی کے سبب بمشکل چل سکتا ہے۔ طاقت کے معنی ہیں کہ وہ شخص جس کا دل، دماغ، معدہ اور باقی جسمانی اعضا بڑھاپے میں بھی ٹھیک کام کر رہے ہیں اور جو سو سال کی عمر ہو جانے کے باوجود چلتا پھرتا اور مصروف رہتا ہے۔ (مرسلہ: شرف الدین۔ سانگھڑ، کتاب: پھلوں و سبزیوں سے علاج)

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ و چمن، عروج و زوال، عشق و سرمستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کا تعلق عرب نژاد پاکستانی خاندان سے تھا۔ پاکستان میں اپنی دوست نیلم کے گھر ذکر و فکر کی محفل میں ردا کی بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی توجہ نے طبیعت میں روحانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا۔ والد کے تبادلے کی وجہ سے ردا اور نیلم کے درمیان رابطہ منقطع ہوگیا۔ ردا نے برطانیہ کی ایک یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں کاربن ڈیٹنگ کے پروفیسر جی آر چوہان کے لئے ردا کی شخصیت معمّا تھی جسے جاننے میں وہ ناکام رہے۔ یونی ورسٹی کی تعلیم کے بعد جب پی ایچ ڈی آخری مراحل میں تھی تو ردا کے والد کا پھر پاکستان تبادلہ ہوگیا۔ ردا نے تھیسز مکمل کرنے کے لئے ٹیکسلا کے آثار قدیمہ کا انتخاب کیا جہاں صدیوں پرانی داستان صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہونے کے لئے ردا کی منتظر تھی۔ ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دورِ حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ردا کو شہزادے سے دور رہنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا سامنے آیا اور ردا کی پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ اب آگے پڑھئے۔

نیلم کے گھر کا راستہ میں دیکھ چکی تھی تھوڑی دیر میں پہنچ گئی۔ گھر کے نزدیک مسجد سے آسانی ہوگئی۔ اتفاق کہا جائے یا اللہ تعالیٰ کی مہربانی، نیلم کے گھر کے باہر کئی گاڑیاں کھڑی تھیں، کچھ لوگ باہر موجود تھے۔ خیال آیا کہ شاید وہی بزرگ آئے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ نیلم کے والد کی تیمارداری کے لئے تشریف لائے ہیں۔

مناسب جگہ گاڑی کھڑی کر کے اتری تو نیلم کا چھوٹا بھائی حذیفہ دو تین لوگوں کے درمیان کھڑا دکھائی دیا۔ خوب قد کاٹھ نکالا تھا۔ اس نے مجھے پہلی نظر میں پہچان لیا۔ آگے بڑھ کر سلام کیا اور مجھے گھر میں لے گیا۔ نیلم آنٹی کے ساتھ باورچی خانے میں مصروف تھی، سب پرتپاک انداز سے ملے۔ والد کی بیماری کی پریشانی ان کے چہروں سے عیاں تھی۔

ایک کمرے میں ”یاسلام“ کا ورد ہو رہا تھا۔

نیلم نے بتایا کہ ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے مگر بزرگ نے تسلی دی ہے کہ بیماری عارضی ہے۔

بزرگ کمرے میں تھے۔ انہیں گھر میں موجود پا کر میں جس پریشانی میں یہاں آئی تھی وہ کچھ دیر کے لئے

ذہن سے محو ہو گئی۔ مقناطیسی شخصیت مجھے کھینچ رہی تھی۔ میں کمرے میں داخل ہو کر جگہ بناتے ہوئے سیدھی ان کی نشست کے نزدیک پہنچ کر زمین پر بیٹھ گئی۔

انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے سر پر دست شفقت رکھا۔ مدعا بیان کرنا چاہتی تھی مگر ماحول نہیں تھا۔ مغرب کی نماز کے لئے سب اٹھے تو موقع دیکھ کر ملاقات کا وقت مانگ لیا۔ انہوں نے سر کو جنبش دیتے ہوئے ایک صاحب کی طرف اشارہ کیا کہ ان سے تفصیلات پوچھ کر کل ملاقات کے لئے آجائیں۔

بات دوسرے دن پر ٹل گئی تھی۔ ہم نے رات روما کے گھر پر گزاری۔ ابو ملک سے باہر تھے۔ امی نے بتایا کہ کل تک گھر سے دواؤں کی بو کم ہو جائے گی پھر ہم گھر جائیں گے۔ مجھے یقین تھا کہ اسماعیل بھائی مکڑیوں والے معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ سوچا کہ ایک مرتبہ بزرگ سے بات ہو جائے پھر اسماعیل بھائی کو سب بتا دوں گی۔ بعد میں معلوم ہونے سے بہتر ہے کہ پہلے بتا دیا جائے پھر جو ہو سو ہو۔

صبح امی سے ضد کر کے نیلم کے گھر جانے کی اجازت لی جو انہوں نے بادل نخواستہ دے دی۔ نیلم پہلے سے تیار تھی لہٰذا ہم وقت مقررہ پر اسلام آباد کے مضافات میں بتائی گئی جگہ پر پہنچ گئے۔

بزرگ توجہ اور خاموشی سے حالات سنتے رہے پھر ناخن پر کافی دیر نظر جما کر نہ جانے کیا دیکھتے رہے۔ گہرا سانس لیا اور فرمایا، خدمت خلق اللہ کو پسند ہے۔ آدم زاد تنگ نظری سے نکل کر آزاد ذہن کے ساتھ عمل کرے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ کسی نادار اور مجبور و بے کس کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قدر ہے۔ یہ زمین جہاں اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیوں سے مزین ہے وہیں کچھ ناعاقبت اندیش شیطانی طرز فکر کے حامل لوگ دنیاوی لالچ کا شکار ہو کر مخلوق کی ایذا رسانی کا سبب بنتے ہیں۔ بعض اوقات ان کے ستائے ہوئے لوگوں کی مدد کرنے والے بھی مشکلات کا شکار ہو کر اپنا نقصان کرتے ہیں۔ ان سب کے باوجود کسی کی مدد کرنا اچھی بات ہے۔

بزرگ خاموش ہوئے تو میرے ذہن میں کئی سوالات تھے۔ میں ادب سے گویا ہوئی، بابا جی! ذہن واقعات کی توجیہ سے قاصر ہے۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

بیٹی! تمہارے اندر حواس خمسہ کا غیر مادی رخ بیدار ہو رہا ہے اور اس کی وجہ پابندی سے مراقبہ کرنا ہے۔ ٹیکسلا میں موجود کچھ مقامات کی حیثیت حیرت کدے سے کم نہیں۔ وجہ بدھ مت کی وہ خانقاہیں ہیں جہاں ماضی بعید میں قیام کرنے والوں نے مادی حواس سے غیر مادی حواس میں منتقلی کے تجربات کئے۔ وہ روشنی کی رفتار سے سفر کرنے کی کوشش میں تھے، پھر سب تباہ و برباد ہو گیا۔ وجوہات کیا تھیں اس سلسلہ میں خاموش رہنا مناسب ہے۔ دنیا نے جو کھوج لگایا ہے اور تاریخ جو کچھ بتا رہی ہے اس کو درست مان لینا بہتر ہے۔

وقت نے جہاں اس دور کی تعمیرات کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا ہے وہیں وہ راستے بھی پُر اسراریت کا روپ دھار کر کھنڈرات بن گئے ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں اور منفی خصائل کے حامل ہم زاد کی گزرگاہ بن چکے ہیں۔ تمہارا واسطہ ایسی ہی گزرگاہ سے پڑ گیا اور ماضی میں رونما ہونے والے واقعات سے وابستہ مشکلات کا شکار ایک فرد، تمہارے وجود سے منسلک مثبت روشنی کی وجہ سے تم سے رابطے میں آ گیا۔ جسے تم نے شاہی لباس میں دیکھا وہ کشان دورِ حکومت کے ایک شہزادے کا ہم زاد ہے۔ اور جو روشنی اس نے تمہارے وجود میں دیکھی، اس روشنی کی حامل ایک لڑکی تھی جس سے شہزادہ شادی کرنا چاہتا تھا۔

داستان طویل ہے۔ شہزادے کے ہم زاد کے ساتھ کچھ معاملات اس خزانے کے ہیں جو سلطنت کشان کی ملکیت تھا اور اب بھی اس کا کچھ حصہ مدفون ہے۔

شہنشاہ پاچاکوتی مملکت کے سب سے بڑے تانترک کی باتوں میں آ گیا اور شہزادے کے ہم زاد کو قابو کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کے ہم زاد سے اپنے مدفون خزانوں کو چھپا نہ سکا اور ماچو پیچو* کی چوٹیوں سے منسلک سلطنت میں گھمسان کا رن پڑا۔

جنگ بادشاہ پاچاکوتی کی فوج اور صدیوں پہلے مرنے والے شہزادے کے ہم زاد کے درمیان تھی۔ شہزادے کا ہم زاد زمین پر طویل قیام کی وجہ سے اپنے غیر مادی وجود سے منسلک صلاحیت سے کسی حد تک واقف تھا۔ مافوق الفطرت جنگ کی وجہ سے شہزادے کے نزدیک اپنی آزادی کی حفاظت جب کہ پاچاکوتی کے نزدیک مدفون خزانوں کا حصول تھا۔ بیٹی! یہ طویل داستان ہے جسے سنانا وقت طلب کام ہے۔

مگر باباجی! میں ان سب میں کہاں ہوں—؟

تم انجانے میں اس معاملے کے ایک فریق کی حیثیت اختیار کر گئی ہو۔ یہ اعراف اور ناسوتی قوتوں کے درمیان ہائی پروفائل کیس بن گیا ہے۔ لالچی بوڑھے کا نام بجرو لال ہے۔ وہ اپنے آپ کو کشان دورِ حکومت کے مدفون خزانوں کا وارث سمجھتا ہے اور انہیں حاصل کرنے کے لئے طویل ریاضت سے گزرا ہے۔ اب جب کامیابی نزدیک تھی اور شہزادے کے ہم زاد نے اسے سب کچھ بتانے کی ہامی بھر لی تھی تو بیچ میں تم آ گئیں اور شہزادے کی وہ امیدیں جن پر صدیوں کی دھول جمی ہوئی تھی پھر تازہ ہو گئیں۔ شہزادہ دیوانہ وار تمہاری سمت پلٹا اور اس جادوئی اثر سے نکل گیا جو بجرو لال کی طویل اور تھکا دینے والی محنت سے قائم ہوا تھا۔ بجرو لال تمہیں ناکامی کا ذمہ دار سمجھتا ہے اور نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔

باباجی! میں انجانے میں اس معاملے میں فریق بن گئی ہوں لیکن جب تک معلوم نہیں ہوگا کہ ہم زاد کیا ہے، اپنا کردار کیسے ادا کر سکتی ہوں—؟

بیٹی، سوال کر کے سمجھ داری ظاہر کی ہے۔ یہ تمہاری

---

*پندرھویں صدی کی انکا تہذیب کا مقام جو ملک پیرو میں سطح سمندر سے 7970 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

دانش مندی کا ثبوت ہے اس لئے قدرت نے اس کام کے لئے تمہیں منتخب کیا۔ جب تک معلوم نہ ہو کہ مقابل کون ہے، اس کی کیا صلاحیت ہے ہم اس کی مدد یا اس سے مقابلہ کیسے کریں۔ اب غور سے سنو!

آدمی جسم اور روح کا مرکب ہے۔ روح نور کے عالم سے ہے۔ نور — روشنی کے عالم میں منتقل ہوتا ہے، روشنی کے بعد نسمہ کا زون ہے اور نسمہ فزیکل باڈی کے ذریعے مظاہرہ کرتا ہے۔ نسمہ کے تین پرت ہیں۔

۱۔ نسمہ مرکب — آدمی اور آدمی کی دنیا

۲۔ نسمہ مفرد — جنات اور جنات کی دنیا

۳۔ فارمولا

بابا جی نے کاغذ پر گراف بناتے ہوئے کہا کہ مفرد ایک یا اکہری لہر ہے جس کو تانا بھی کہتے ہیں۔ مرکب میں دو لہریں ہوتی ہیں اس کا ایک نام بانا ہے۔ مفرد اور مرکب دونوں فارمولے سے کنٹرول ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ظاہر کرنے کا ارادہ کیا، ارادے میں کائناتی پروگرام تھا۔ اللہ نے کائنات کو ظاہر ہونے کا حکم دیا — کائنات ظاہر ہوگئی۔ ایک نہیں کروڑوں دنیائیں ہیں۔ ہر دنیا میں مخلوق بستی ہے۔ کسی مخلوق میں مفرد لہر اور کسی میں مرکب لہروں کا غلبہ ہے۔

ہمزاد کا تعلق مفرد لہر سے ہے۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا تو دو گھنٹے گزر گئے تھے۔ انہوں نے اب تک نہیں بتایا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا وہ میری مدد کریں گے۔

خیال ذہن سے گزرا تو انہوں نے نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا، کچھ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تو تم نے کرلیا ہے اور تمہارا ارادہ ریکارڈ ہوگیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اب یقین کے ساتھ عمل کرو۔

بزرگ نے نشان دہی فرمائی تو مجھے یاد آیا کہ میں نے اس معاملے سے پیچھے نہ ہٹنے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس وقت بجر و لال درمیان میں نہیں تھا۔

بزرگ پھر گویا ہوئے، ہر عمل جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر کیا جائے اس میں اللہ کی مہربانی اور رحمت شامل ہوتی ہے۔ گھبرانا نہیں چاہئے۔ حضور پاکؐ کی سیرت طیبہ ہمارے سامنے ہے۔ وحدانیت کی تبلیغ اور نیکی کی تعلیمات پھیلانے میں کیسے کیسے کٹھن مراحل سامنے آئے لیکن ثابت قدم رہے۔ تمہیں شہزادے کی مدد کرنی ہے۔

بزرگ کے الفاظ نے اندر تاروں کو جھنجوڑ دیا تھا۔ وہ الفاظ نہیں، عزم و حوصلے کا ایک سمندر تھا جو انہوں نے میرے اندر انڈیل دیا اور اس سمندر میں شک، خوف اور سارے خدشات ڈوب گئے۔

عاجزی سے عرض کیا، بابا جی راہ نمائی فرمائیں۔

لہجے پر زور دیتے ہوئے فرمایا، یقینِ محکم اور ثابت قدمی کامیابی کی کنجیاں ہیں۔ تمہیں ماضی میں داخل ہونا پڑے گا۔ جب تک تم خود کو اس معاملے میں کردار نہیں بناؤ گی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ کشان کے شہزادے کو اب لوٹ جانا چاہئے، اس کے پیچھے ہمزاد کی فوج ہے جو

ایسے دہکتے ہوئے الاؤ کی مانند ہیں جسے پاچا کوتی اور بجرولال جیسے ناعاقبت اندیش ہوسِ زر کے پجاری کسی بھی وقت دہکا سکتے ہیں۔

ذہن میں موجود سوالات پوچھتی رہی وہ جواب دیتے رہے۔ وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ نیلم نے صبر کا مظاہرہ کیا، وہ انتظار گاہ میں تھی۔

جب وجود عقیدت و محبت سے سرشار ہو تو پھر کوفت کیسی! اس کا خاندان بزرگ کے بڑے عقیدت مندوں میں سے تھا۔ ہمارے بعد ان کی کسی اور صاحب سے ملاقات طے تھی اور وہ تشریف لا چکے تھے۔

میں مطمئن اور پُرعزم تھی۔

میرے چہرے پر پھیلا سکون دیکھ کر نیلم مطمئن ہوگئی کہ لگتا ہے مسئلہ حل ہونے کے آثار پیدا ہوگئے ہیں۔

ہم ہنستے مسکراتے باہر نکلے تو کچھ فاصلے پر ایک گاڑی کھڑی تھی۔ دور سے سوار شناسا لگا مگر ہمیں دیکھتے ہی اس نے چہرہ دوسری طرف کرلیا۔ میں نے نظر انداز کرکے گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ چابی نیلم کو دی اور خود دوسری سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں بزرگ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے ایک ایک لفظ کو ذہن میں دہرانا چاہتی تھی اس لئے گاڑی چلانے سے گریز کیا۔ ہمارا رخ نیلم کے گھر کی طرف تھا۔

سڑک سنسان تھی۔ دور سے کوئی گاڑی سڑک پر نقطے کی مانند دکھائی دیتی پھر وہ نقطہ بڑا ہونے لگتا، خدوخال واضح ہوتے۔ جیسے ہی منظر صاف ہوتا تو گاڑی زناٹے سے اوورٹیک کرتی ہوئی گزر جاتی اور آہستہ آہستہ نقطہ بن کر غائب ہوجاتی۔ زندگی کی مثال بھی ایسی ہے۔

بہرحال نیند کا خمار طاری ہوا تو میں نے آنکھیں موند لیں۔ نیلم خاموشی سے گاڑی چلا رہی تھی۔ غالباً اسّی نوّے کی رفتار ہوگی۔ ذہن میں ایک طرف ملاقات کی فلم چل رہی تھی تو دوسری طرف شعور کسی نہ کسی حد تک سفر میں گزرنے والے مناظر کی طرف بھی متوجہ تھا۔

یکایک باباجی کی آواز ذہن میں گونجی —

''اللہ تعالیٰ اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ یقین اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا۔''

آواز سنتے ہی میں ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

کیا دیکھتی ہوں کہ سامنے سڑک پر وہی ہیبت ناک بوڑھا گاڑی کو روکنے کا اشارہ کررہا تھا۔

میں ہذیانی انداز میں چیخی، نیلم گاڑی مت روکنا گاڑی تیز چلاؤ۔ نیلم نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور گھبرا کر گاڑی کی رفتار ایک دم تیز کردی۔

مجھے لگا کہ نیلم نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ صرف مجھے نظر آرہا تھا۔ گاڑی تیز رفتاری سے دریا پر بنے پل پر چڑھ چکی تھی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بوڑھا بھی آندھی طوفان کی رفتار سے گاڑی کے نزدیک آچکا تھا۔ نظر سامنے گئی تو روشنی کے ہالے میں کچھ لوگ ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔ نیلم نے حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا، ردا تمہیں کیا ہوگیا ہے—؟

میں نے ایک مرتبہ پھر گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

اسی لمحے بوڑھے نے جھک کر گاڑی کے پچھلے ٹائر پر ہاتھ مارا۔ دھماکے کی آواز کے ساتھ پچھلا ٹائر پھٹ گیا۔ گاڑی کئی فٹ اچھلی، قلابازیاں کھاتے ہوئے پل کی ریلنگ سے ٹکرائی اور کھائی میں گرنے لگی تھی کہ کسی نے پل سے نیچے گرنے سے روک دیا۔

حادثہ اتنا خطرناک تھا کہ دیکھنے والوں کی چیخیں نکل گئیں ۔ اگر ہم کھائی میں گرتے تو زندہ بچنے کا امکان نہیں تھا۔ لوگ جمع ہو گئے ۔نیلم پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ میرے سر سے خون بہ رہا تھا اور وجود ساکت تھا۔ گویا مجھ پر موت وارد ہو چکی تھی۔ لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ میں اپنے جسم کو دیکھ رہی تھی۔

مدد کرنے والے نورانی لوگوں کا گروہ غائب ہو چکا تھا۔ پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز جیسے کبوتر کی اڑان بھرتے وقت آتی ہے، بار بار سنائی دے رہی تھی۔ ساتھ ہی فضا میں روشنی کے چھوٹے چھوٹے جھماکے بھی محسوس ہوئے۔ یعنی مددگار غائب لیکن موجود تھے۔

لوگ ہمیں گاڑی سے نکال کر زمین پر لٹا چکے تھے۔ ایک باریش بزرگ پیچھے کسی گاڑی سے اترے اور مجمع کو چیرتے ہوئے آگے آئے۔ نظر ہم پر پڑی تو انہوں نے لوگوں کو ڈانٹا کہ ابھی تک ریسکیو کو فون کیوں نہیں کیا۔ انہوں نے موبائل پر نمبر ملایا، کئی فون کئے۔ لگتا تھا وہ کسی سرکاری ادارے میں بڑے افسر تھے۔

ذرا دیر میں ایمبولینس کے ساتھ پولیس بھی آ پہنچی۔ اتنے میں اسماعیل بھائی کی گاڑی قریب سے گزری۔ یہ وہی گاڑی تھی جو بزرگ کے آستانے کے نزدیک کھڑی تھی۔ وہ تیزی سے گاڑی سے اترے۔ ہماری گاڑی کا نمبر پلیٹ انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ دوڑ کر ایمبولینس کی طرف آئے تو مجھے دیکھ کر چکرا گئے۔ ان کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔ ایمبولینس روانہ ہوئی۔

باریش بزرگ نے اسماعیل بھائی کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ردا بیٹی جلد کوما سے باہر آ جائے گی۔

اسماعیل بھائی نے بات سنی ان سنی کرتے ہوئے سر ہلایا اور تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ تھوڑی دیر بعد انہیں خیال آیا کہ یہ ردا کو کیسے جانتے ہیں اور انہیں کیسے پتہ کہ وہ کوما میں ہے۔

اگلے لمحے انہوں نے جیب سے فون نکالا اور اپنے ماتحت کو فون ملا کر کہا، معلوم کر کے بتاؤ کہ افتخار صاحب ہیں یا چلے گئے۔ دوسری جانب سے کسی نے کچھ کہا، جواب میں اسماعیل بھائی نے پوچھا، کب نکلے؟ ابھی تو ملے تھے۔ تم دیکھو۔ اچھا! حیرت ہے۔

ان کی پیشانی پر لکیریں گہری ہوگئیں۔ انہوں نے روما کو فون کیا اور امی کو بتائے بغیر اسپتال پہنچنے کا کہا۔

نیلم کو ہوش آ گیا تھا وہ اب بہتر تھی لیکن مسلسل رو رہی تھی اور میرے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ مجھے افسوس ہوا کہ میری وجہ سے وہ بھی زد میں آ گئی۔ (قسط: ۵)

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

السلام علیکم بچو ۔۔۔! یہ نظم آپ نے پڑھی ہوگی،

ایک تھا تیتر ایک بٹیر، لڑنے میں تھے دونوں شیر
لڑتے لڑتے ہوگئی گم، ایک کی چونچ اور ایک کی دم

نظم میں بتایا گیا ہے کہ لڑائی جھگڑے سے نقصان ہوتا ہے۔ آپ کتنے طاقت ور ہوں، طاقت کا غلط استعمال بہادری نہیں ہے۔ بہادر بچے وہ ہیں جو معاف کرتے ہیں۔ لڑنے والے کے پاس جو ہوتا ہے وہ بھی کھو جاتا ہے۔ تیتر اور بٹیر کی لڑائی میں دونوں نے ایک دوسرے کو اتنا مارا کہ مار دھاڑ میں ایک کی چونچ اور ایک کی دم گم ہوگئی۔ کیا دم کے بغیر تیتر اور چونچ کے بغیر بٹیر اچھا لگے گا ۔۔۔؟

ہم سرسری طور پر نظمیں پڑھتے ہیں، معنی پر غور نہیں کرتے۔ ہر لفظ پر غور کریں پھر ملا کر پڑھیں تو نظم میں پیغام آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔ نیچے دی گئی نظم پڑھیں اور خط لکھ کر بتائیں کہ آپ کیا سمجھے؟

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
دور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہوجائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہوجائے

★ پیارے بچو! بتایئے آپ اس نظم سے کیا سمجھے ۔۔۔؟ جواب بھیجنے کی آخری تاریخ 20 نومبر ہے۔

ستمبر 2019ء میں بچوں سے سوال کیا گیا تھا کہ عقل بڑی ہے یا بھینس۔منتخب جواب شائع کئے جارہے ہیں۔

- فردوس نوید، جماعت ہفتم (ایبٹ آباد): ''اولی الالباب بچے'' مجھے پسند ہے۔میرا جواب یہ ہے کہ بھینس کا موازنہ میں عقل سے اس وقت کروں گی جب مجھے عقل نظر آئے گی۔
- فرحین (فیصل آباد): عقل ہر جگہ ہمارا ساتھ دیتی ہے۔بھینس کو جہاں کھڑا کریں، وہیں کھڑی ہو جاتی ہے۔
- زنیرہ رحمان۔جماعت چہارم (متحدہ عرب امارات): ایسے لوگ ہیں جن کی عقل چھوٹی ہوتی ہے اور چھوٹی رہتی ہے۔جب کہ بھینس چھوٹی ہو تو بڑی ہو جاتی ہے۔
- حماد کاظمی (کراچی): اگر بندہ عقل استعمال نہ کرے پھر بھینس بڑی ہے۔عقل عمرو عیار کی زنبیل کی طرح ہے جو سائز میں چھوٹی ہے لیکن اس کے اندر تمام چیزیں سما جاتی ہیں۔
- دعا (فیصل آباد): بھینس دیکھنے میں اور عقل عمل میں بڑی ہے۔ہم عقل سے کچھ بھی ایجاد کر سکتے ہیں۔
- اریبہ محسن، جماعت نہم: عقل کے بغیر دنیا میں رہنا ممکن نہیں۔عقل کا استعمال کر کے ہم کھیتی اگاتے ہیں، پودے کو کتنی مقدار میں پانی دینا ہے، چیزوں کی دیکھ بھال کیسے کرنی ہے، سب عقل سے ہوتا ہے۔
- سبحان منور (فیصل آباد): عقل کی مدد سے ہم ہر کام کر سکتے ہیں۔بھینس بھی عقل استعمال کرتی ہے۔
- رضوان خان، جماعت پنجم (پشاور): بھینس دیکھنے میں بڑی نظر آتی ہے مگر عقل سے ہم دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں پہنچ جاتے ہیں اس لئے عقل زیادہ بڑی ہے۔
- ذویان (فیصل آباد): کوئی اپنے قد سے بڑا نہیں ہوتا، سوچ سے بڑا ہوتا ہے اس لئے عقل بڑی ہے۔
- محمد عارف (کراچی): سارے کام عقل سے ہوتے ہیں اس لئے عقل بڑی ہے۔

امتحان کا نتیجہ: اول۔زنیرہ رحمان دوم۔فردوس نوید سوم: حماد کاظمی

باقی بچوں نے اچھی کوشش کی ہے ___ اور محنت کریں۔

خطوط بھیجنے والوں کے نام: احمد محی الدین، حماد خان، محمد سارب بیگ، فرحین تنویر، عبداللہ انجم، ریان، صائمہ نثار، اسد جہانزیب، عائشہ بدر، شفق الٰہی، سدرہ جمال، حذیفہ احمد، نمرہ زینب

یا محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں

یہ تحریر بچوں کے لئے ہے۔ بڑے بچے (بزرگ) بھی پڑھیں، انشاءاللہ یادیں تازہ ہوں گی۔

مکہ کے معزز اور معتبر سردار نے خواب دیکھا۔ خواب میں کسی نے حکم دیا —

''زم زم کھودو۔ یہ پانی کا ایک کنواں ہے۔ اس کنوئیں کا پانی کبھی رکتا ہے نہ کبھی کم ہوتا ہے اور بے شمار حاجیوں کو سیراب کرتا ہے۔''

پھر علامات بتائیں کہ کنواں کہاں کھودنا ہے۔

معزز سردار نے جب یہ خواب ایک سے زائد بار دیکھا تو انہیں یقین ہوگیا کہ خواب سچا ہے۔

نیک سردار نے اپنے قبیلے سے خواب کا ذکر کیا تو لوگوں نے کنواں کھودنے کی حمایت نہیں کی۔ قبیلے کے سردار کو یقین تھا کہ خواب سچا ہے لہٰذا کنواں کھودنے کا فیصلہ کیا۔ کدال اور پھاوڑا لے کر اپنے بیٹے حارث کے ساتھ خود اس مقام پر پہنچے خواب میں جس کی نشان دہی کی گئی تھی۔ دو دن تک کھدائی کی لیکن کنوئیں کے آثار نظر نہیں آئے۔ انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔ تیسرے روز کنوئیں کے آثار نظر آئے تو انہوں نے خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا، یہی حضرت اسمٰعیلؑ کا کنواں ہے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے اس نیک کام کے لئے انہیں منتخب فرمایا۔

پھر قبیلے کے معزز سردار نے منت مانی،

''میرے دس بیٹے ہوئے تو میں ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کردوں گا۔''

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔

سردار نے دوسرا خواب دیکھا۔ کسی نے کہا،

''جو منت مانی تھی وہ پوری کرو۔''

بیدار ہوئے تو تمام بیٹوں کو جمع کیا اور ان کو اپنا خواب سنایا۔ بیٹوں نے کہا،'' آپ اپنی منت پوری کریں، ہم حاضر اور آپ کے تابع دار ہیں۔

کس بیٹے کی قربانی کی جائے، قرعہ ڈالا گیا۔ قرعہ میں چہیتے بیٹے کا نام نکلا — عبداللہ۔ وہ بیٹا سب سے زیادہ پیارا تھا۔ سردار اصول پسند اور قول کے سچے تھے، اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کو

سر آنکھوں پر رکھا اور چہیتے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر قربان گاہ کی جانب لے جانے لگے۔ بہنوں نے دیکھا کہ بھائی قربان ہو جائے گا تو رونے لگیں۔

ایک بہن نے مشورہ دیا،

''بابا جان! درخواست ہے کہ دس اونٹوں اور عبداللہ میں قرعہ ڈالئے۔ قرعہ دس اونٹوں کے نام نکل آئے تو اونٹوں کی قربانی دے دیجئے۔''

پیارے بچو! عرب میں رواج تھا کہ ایک آدمی کے قتل کے بدلے دس اونٹ دیئے جاتے تو خون معاف ہو جاتا تھا۔ تجویز پسند آئی اور قرعہ نکالا گیا۔

ایک بار پھر بیٹے کا نام آیا۔

اونٹوں کی تعداد دس سے بیس کر دی گئی لیکن قرعہ میں پھر بیٹے کا نام آیا۔ اس طرح دس دس اونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے گئے مگر بیٹے کا نام آتا رہا یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد 100 ہو گئی۔ اس بار جب قرعہ ڈالا گیا تو بیٹے کے بجائے اونٹوں کا نام آیا۔ سب نے خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ بہنیں خوشی خوشی بھائی کو گھر لے گئیں اور سردار نے 100 اونٹ صفا اور مروہ کے درمیان نحر کئے۔ اونٹ کی قربانی کے طریقے کو نحر کہتے ہیں۔

پیارے بچو! مکہ کے اس عالی مرتبت سردار کا نام حضرت عبدالمطلبؓ ہے جو اللہ کے محبوب ہمارے پیارے نبی حضرت محمدؐ کے دادا ہیں۔ قرعہ میں نکلنے والا نام حضور پاکؐ کے والد حضرت عبداللہؓ کا تھا۔

حضرت عبداللہؓ بے حد وجیہ، خوب صورت اور پاکیزہ سیرت کے حامل تھے۔ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ قرعہ میں ان کا نام اس وقت تک آتا رہا جب تک اونٹوں کی تعداد 100 نہیں ہو گئی۔

اس زمانے میں اونٹوں کی بہت اہمیت تھی۔ مطلب یہ ہے کہ دس اونٹ بھی قربان کر دیئے جاتے تو یہ حضرت عبداللہؓ کی قربانی کا بدل نہیں تھا۔ تعداد بڑھتی گئی اور پھر اللہ نے قربانی قبول فرمائی۔

حضرت عبداللہؓ کی نیک عادات اور حسن و جمال کی وجہ سے معزز گھرانوں کی لڑکیاں ان سے شادی کرنا چاہتی تھیں۔ حضرت عبدالمطلبؓ نے اپنے پیارے بیٹے کے لئے بی بی آمنہؓ کا انتخاب کیا جو رتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون ہیں۔ اللہ نے بی بی آمنہؓ کو ماں بننے کی خوش خبری دی۔ حضرت عبداللہؓ شادی کے چھ ماہ بعد تجارتی

قافلے کے ساتھ شام گئے۔ واپسی میں یثرب کے مقام پر وہ بیمار ہوئے اور حضرت محمدؐ کے دنیا میں ظاہر ہونے سے چند ماہ پہلے حضرت عبداللہؓ کا انتقال ہوگیا۔

سرورِ کونین حضرت محمدؐ کے دنیا میں آمد کے وقت ان کی والدہ بی بی آمنہؓ نے ایک نور دیکھا جس سے دنیا روشن ہوگئی۔ والدہ نے بیٹے کا نام احمد رکھا اور دادا نے ان کا نام محمدؐ رکھا۔

آپؐ کے ایک چچا حضرت زبیرؓ بھتیجے سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ ہمارے پیارے رسولؐ کو یہ اشعار ترنم میں سناتے تھے۔ ترجمہ:

''اے محمدؐ بن عبداللہؓ! آپؐ آسودگی کی زندگی بسر کریں گے اور ہمیشہ دولت، ثروت اور نعمتوں میں رہیں گے۔''

پیارے بچو! عرب میں کم سن بچوں کو پرورش کے لئے کچھ عرصہ دیہات میں بھیجنے کا رواج تھا۔ دیہات سے خواتین آتی تھیں اور بچوں کو پرورش کے لئے صحرا میں لے جاتی تھیں۔ حضور پاکؐ کی دائی کا اعزاز بی بی حلیمہؓ کو حاصل ہوا۔ وہ اللہ سے محبت کرنے والی اور پاکیزہ دل خاتون تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمدؐ کی دائی کے لئے ان کا انتخاب فرمایا۔

پیارے محمدؐ ان کے گھر آئے تو رحمتوں اور برکتوں کی بارش برس گئی۔ غربت خوش حالی میں بدل گئی۔ دائی حلیمہؓ جانتی تھیں کہ یہ سب ''مہمان'' کی برکت سے ہے۔ وہ انہیں جھولا جھلاتیں اور لوری بھی سناتی تھیں۔

حضرت محمدؐ کی رضاعی بہن یعنی دائی حلیمہؓ کی بیٹی بی بی شیما بنت حارثؓ اپنے رضاعی بھائی کے لئے یہ اشعار پڑھتی تھیں۔ ترجمہ:

''اے میرے مالک! محمدؐ کی حفاظت کرنا
تاکہ ہم انہیں جوان اور قوم کا سربراہ بنتا دیکھیں
ان کے دشمن اور حاسدوں کو شکست ہو
محمدؐ کی عزت و توقیر ہمیشہ قائم رہے۔''

حضور پاکؐ دائی حلیمہؓ کے پاس چار سال رہے۔ پھر والدہ کے پاس واپس آگئے۔

جب حضرت محمدؐ کی عمر چھ سال تھی تو بی بی آمنہؓ آپؐ کو ساتھ لے کر حضرت عبداللہؓ کی قبر کی زیارت کے لئے یثرب تشریف لے گئیں۔

یثرب مدینہ منورہ کا پرانا نام ہے۔

یثرب سے واپسی پر بی بی آمنہؓ بیمار ہوئیں اور

انتقال ہوگیا۔ دادا عبدالمطلبؓ نے پوتے کا بہت خیال رکھا۔ دوسال کے بعد دادا کا بھی انتقال ہوگیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

انتقال سے قبل انہوں نے حضرت محمدؐ کو اپنے بیٹے حضرت ابوطالب کی سرپرستی میں دیا۔

اس طرح حضور پاکؐ کی پرورش کی سعادت حضرت ابوطالب کو حاصل ہوئی۔

حضرت ابوطالب شفیق، ہمدرد اور نیک انسان تھے۔ انہوں نے آپؐ کو بہت محبت دی۔

حضرت محمدؐ چاہتے تھے کہ وہ کسی پر بوجھ نہ بنیں۔ اس لئے اپنے کام خود کرنے کے ساتھ ساتھ چچا کا ہاتھ بٹایا۔ بکریوں کی رکھوالی کرتے، جنگل میں چرانے لے جاتے۔ اس کے علاوہ گھر کے چھوٹے بڑے کام کرتے تھے۔

حضرت محمدؐ جب آٹھ سال کے تھے تو مویشیوں کو چرانے کے لئے صحرا لے جاتے اور شام کو واپس آتے۔ بچو! کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ صحرا میں وقت کس طرح گزارتے تھے؟

حضور پاکؐ لامحدود آسمان پر نظریں جمائے رکھتے اور زمین اور آسمان کی دنیا پر غوروفکر کرتے تھے۔ یعنی حضور پاکؐ بچپن سے اللہ کو یاد کرتے تھے اور اللہ کی نشانیوں میں تفکر کرتے تھے۔ تفکر کی عادت ساری عمر قائم رہی۔ آپؐ نے اللہ کو کبھی خود سے دور نہیں سمجھا، جو کام کرتے ذہن اللہ کی طرف ہوتا تھا۔ جب غار حرا میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچتے تھے تو کبھی کبھی حضرت جبرائیلؑ کی آواز سنائی دیتی تھی جو کہتے تھے،

''یا محمدؐ! آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اور میں اس کا فرشتہ جبرائیل ہوں۔''

پہلی وحی نازل ہونے کے بعد اللہ کو یاد کرتے کرتے ایک روز حضور پاکؐ کے دل میں خیال آیا کہ وہ تنہا ہیں۔ نبی کریمؐ کے اس خیال کو دور کرنے کے لئے حضرت جبرائیلؑ آئے اور سورۃ الضحیٰ تلاوت کی۔

''آفتاب کی روشنی کی قسم۔ اور رات کی جب چھا جائے کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں چھوڑا ہے نہ تم سے ناراض ہے۔ اور آخرت تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے۔ اور پروردگار عن قریب تمہیں وہ کچھ عطا کرے گا کہ تم خوش ہوجاؤ گے۔ کیا اس نے تمہیں یتیم پاکر جگہ نہیں دی؟ اور راستے سے ناواقف دیکھا تو راستہ دکھایا اور تنگ دست پایا تو غنی کردیا۔ تو تم بھی یتیم پر ستم مت کرنا اور مانگنے والوں کو جھڑکی نہ

دینا۔ اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کرتے رہنا۔'' (سورۃ الضحیٰ ، آیت:۱-۱۱)

پیارے بچو اور محترم بچو!

اس تحریر کی ابتدا میں بتایا گیا تھا کہ یہ بچوں کے ساتھ بڑے بچوں کے لئے بھی اہم ہے۔

جانتے ہیں کیوں ___؟

کیوں کہ اس میں تربیت کا قانون ہے۔

غور کیجئے کیسے ___؟

تربیت میں ماحول کا کردار اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کائنات میں ممتاز کرنا چاہتے ہیں تو اس کی تربیت کا خاص اہتمام فرماتے ہیں اور اس کے گرد ایسے لوگوں کا انتظام کرتے ہیں جن کی طبیعت پاکیزہ ہو اور جو اللہ سے محبت کرتے ہوں۔

حضرت محمدؐ وہ ہستی ہیں جن کے لئے کائنات سجائی گئی ہے۔

★ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو دنیا کے سب سے بابرکت شہر مکہ میں ظاہر فرمایا۔

★ ان کے لئے جس قبیلے کا انتخاب فرمایا وہ عرب کا سب سے معزز قبیلہ قریش ہے۔

★ اس قبیلے میں جس گھر کو منتخب کیا، وہ قریش کا سب سے محترم گھر حضرت عبدالمطلبؓ کا ہے جو خانہ کعبہ کے متولی تھے اور نیک فطرت اور اللہ سے محبت کرنے والے متولی تھے۔

★ حضور پاکؐ کے والد اور والدہ بھی اعلیٰ اخلاق و کردار کے امین ہیں۔

★ دائی کے لئے بی بی حلیمہؓ کا انتخاب ہوا، وہ پاکیزہ سوچ رکھنے والی خاتون تھیں۔

★ اور چچا ابو طالب بھی محبت و شفقت کا پیکر تھے۔

بڑے بچو! جب ماں باپ اور ماحول میں لوگ پاکیزہ سوچ رکھنے والے اور اللہ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں تو ایسے گھروں میں پیدا ہونے والے بچے اللہ کے دوست بن جاتے ہیں۔

اس تحریر میں ایک اہم بات ''غور و فکر'' ہے۔

حضور پاکؐ نے بچپن سے اللہ تعالیٰ کو جاننے کی کوشش کی اور اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کیا۔

نور چشمی بچو! کیا آپ نے آسمان کو غور سے دیکھا ہے ___؟ نظر گم ہو جاتی ہے لیکن آسمان کی حد معلوم نہیں ہوتی۔ دن میں سورج اور رات کو چاند ستاروں کو دیکھ کر کیا آپ سوچتے ہیں کہ یہ سب آسمان پر

کہاں اور کس طرح لگے ہوئے ہیں؟ ان کو چمک کس نے دی اور آسمان پر ان کی روشنی زمین کو کیسے روشن کررہی ہے—؟

ننھے عزیزو! کیا آپ نے زمین کو غور سے دیکھا ہے۔ دن بھر اس پر چلتے ہیں اور رات کو سوتے ہیں۔کبھی سوچا ہے کہ زمین کیا ہے؟ کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوجاتی ہے؟ختم ہوتی بھی ہے یا نہیں؟ زمین کے اندر کیا ہے؟ جو کچھ زمین کے اندر ہے وہ باہر کیسے آتا ہے؟ زمین نے ہمیں اور ہمارے مکانات کو کس طرح سہارا دیا ہوا ہے؟ یہ سب سوچنے والی باتیں ہیں۔

بڑے بچوں سے گزارش ہے کہ روز رات کو سونے سے پہلے بچوں کے ساتھ حضور پاکؐ کی سیرت کا مطالعہ کریں اور بچوں کو پڑھ کر سنائیں۔ گھر میں نعتیں سنیں۔ جو مائیں اپنے بچوں کو نعتیں سناتی ہیں اور رسول کریمؐ کے واقعات بتاتی ہیں، ان کے بچوں میں رسول کریمؐ کے اوصاف منتقل ہوتے ہیں۔ جس گھر میں اللہ اور رسولؐ کا ذکر ہو، اس گھر پر نور سایہ فگن ہوجاتا ہے۔

میں سو جاؤں یا مصطفیٰؐ کہتے کہتے

میں سو جاؤں یا مصطفیٰؐ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صل علیٰ کہتے کہتے

ستم پہ ستم سہ گئے دشمنوں کے
حبیبِ خداؐ یا خدا کہتے کہتے

گزرتے تھے کانٹوں بھرے راستوں سے
رسولِ خداؐ مرحبا کہتے کہتے

ہوئے سرخرو آپؐ ہر معرکے میں
فقط ربّنا ربّنا کہتے

اندھیروں میں ہم نے کیا ہے اجالا
عقیدت سے نورالہدیٰؐ کہتے کہتے

دلِ مضطرب کو سکوں آ گیا ہے
شب و روز یا مجتبیٰؐ کہتے کہتے

کٹے کاش اقبالؔ اب عمر ساری
فقط نعتِ خیر الوریٰؐ کہتے کہتے

میں سو جاؤں یا مصطفیٰؐ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صل علیٰ کہتے کہتے

(اقبالؔ عظیم)

اناج کا دانہ

چند بچے کھیل رہے تھے۔ کھیل کے دوران بھٹے کے دانے سے ملتی جلتی شے ملی جس کی جسامت مرغی کے انڈے کے برابر تھی۔ بچے کھیل چھوڑ کر اس سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیا چیز ہے۔

اس دوران کسی مسافر کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے بچوں کو ایک جگہ جمع دیکھا تو ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ نظر عجیب وغریب شے پر گئی تو بچوں کی طرح وہ بھی حیران ہوا کہ یہ کیا ہے۔ مسافر نے وہ دانہ بچوں سے ایک پیسے میں خرید لیا۔

مسافر اپنے شہر پہنچا اور انڈے کے برابر دانے کو ایک دکان دار کو فروخت کر دیا۔ دکان دار نے دانہ کسی گاہک کو بیچا اس طرح ایک کے بعد ایک ہاتھ سے گزرتے ہوئے دانہ بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ بادشاہ نے بھی دانے کو عجیب وغریب پایا۔ تجسس پیدا ہوا کہ یہ کیا ہے؟

بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ دانش وروں کو دکھایا جائے اور ان سے پوچھیں کہ یہ کیا چیز ہے؟

دانش وروں نے بہت غور کیا۔ انہوں نے ایسی چیز پہلے نہیں دیکھی تھی، وہ فوری طور پر اس کے بارے میں رائے قائم نہیں کر سکے۔

اتفاق سے محل کے خادموں سے ایک مرغی کھلی رہ گئی۔ پکڑنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ نہ آئی اور پکڑم پکڑائی میں محل میں داخل ہوگئی۔ مرغی نے شاہی تخت کے قریب کھڑے وزیر کے ہاتھ میں دانہ دیکھا تو تیزی سے قریب آئی پھر اڑتے ہوئے دانے پر چونچ ماری اور اس میں سوراخ کر دیا۔ یہ دیکھ کر سارے حکیم اس بات پر متفق ہوگئے کہ انڈے کے برابر یہ دانہ دراصل اناج کا دانہ ہے۔

بادشاہ کو حیرت ہوئی کہ اناج کا دانہ اتنا بڑا کیسے ہوسکتا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ معلوم کیا جائے اس قسم کی پیداوار کس علاقہ میں ہوتی ہے؟

سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے، قریب و دور علاقوں میں قاصد روانہ کئے گئے لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔

دانے کی خبر اب تک دانش وروں کے حلقے میں گردش کر رہی تھی۔ جب آس پاس علاقوں کے دانش وروں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو فیصلہ ہوا کہ

کسانوں سے مدد لی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ کسانوں کے بڑے بوڑھے اس دانے کے بارے میں جانتے ہوں اور ہمیں کچھ بتاسکیں۔

بادشاہ نے حکم صادر کیا کہ بوڑھے کسان کو بلایا جائے۔ خادم ایک ضعیف شخص کو لائے جو دونوں ہاتھ میں لاٹھی کے سہارے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

بادشاہ نے بوڑھے کسان کو اناج کا دانہ دکھایا اور پوچھا کہ کیا تم اس کے بارے میں بتا سکتے ہو؟

بوڑھے کسان کی نظر کمزور تھی، وہ دانے کو بمشکل دیکھ سکا۔ ہتھیلی پر رکھ کر اس کی جسامت اور ساخت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی اور کہا، میں نے ایسا دانہ پہلے نہیں دیکھا۔ ممکن ہے کہ میرے والد اس بارے میں علم رکھتے ہوں۔

بوڑھے کسان کے والد کو دربار میں لایا گیا۔ ان کی صحت بیٹے سے بہتر تھی اور وہ بیٹے کے برعکس ایک لاٹھی کے سہارے چل رہے تھے۔

انہیں دانہ دکھایا گیا۔

نظر بہتر تھی، اچھی طرح سے الٹ پلٹ کر جائزہ لے رہے تھے کہ بادشاہ نے پوچھا، بڑے میاں، کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ ایسا اناج کہاں اگتا ہے؟ کیا کبھی آپ نے اس طرح کا اناج کاشت کیا ہے؟

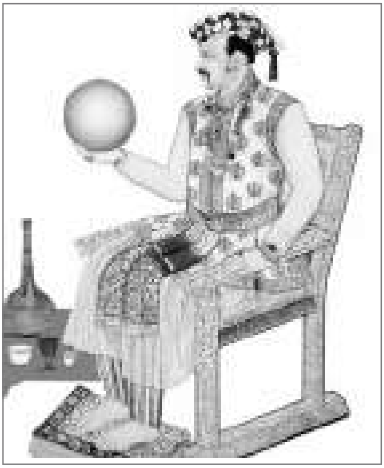

بوڑھے کسان کے والد نے جواب دیا، جناب عالی! ایسا اناج میں نے کبھی دیکھا ہے نہ بویا ہے۔ میرے زمانہ میں اناج کا دانہ آج کے دانے سے بڑا تھا لیکن اتنا بڑا نہیں تھا جتنا یہ ہے۔ البتہ میرے والد بتاتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں اناج کا دانہ بہت بڑا ہوتا تھا۔

اس طرح بوڑھے کسان کے والد کے بعد دادا کو شاہی دربار میں بلایا گیا۔

بادشاہ سمیت وہاں موجود دیگر لوگ انہیں دیکھ کر چونک گئے۔ وجہ یہ تھی کہ دادا جی کی عمر زیادہ تھی لیکن وہ سہارے کے بغیر دربار میں آئے۔ ان کی نظر اپنے بیٹے اور پوتے سے تیز تھی۔

جب انہوں نے دانہ دیکھا تو کہا،

"واہ! ایسا اناج دیکھے ہوئے زمانے ہوگئے۔"

پھر اس میں سے ذرا سا ٹکڑا نکال کر چکھا اور کہا،

"یہ وہی ہے۔"

بادشاہ کے چہرے پر تجسس تھا۔ اس نے پوچھا، دادا جی! آپ نے ایسا دانہ کہاں دیکھا ہے؟

دادا جی فخر سے بولے، یہی دانے کھا کر تو ہم بڑے ہوئے ہیں۔ میرے دور میں زمین سے اسی طرح کا دانہ پیدا ہوتا تھا۔ ہم لوگ یہی بوتے تھے، کاٹتے تھے اور کھاتے تھے۔

بادشاہ نے پوچھا، آپ کو یاد ہے کہ کس حساب سے اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی؟

دادا جی مسکرائے اور بولے، ہمارے زمانے میں کسی نے خرید و فروخت کا کام نہیں کیا۔ اس دور میں روپے پیسے نہیں تھے۔ ہر شخص خود فصل کاشت کرتا تھا اور اناج کے ذریعے اشیا کا تبادلہ ہوتا تھا۔

بادشاہ نے تعجب سے کہا، آپ کس علاقے میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ آپ کی زمین کہاں ہے؟

دادا جی بولے، میری زمین؟ اللہ کی یہ زمین میرا کھیت تھی جہاں میں ہل چلاتا تھا۔ اس وقت لوگوں نے زمین تقسیم نہیں کی تھی، زمین آزاد تھی۔ کوئی اسے اپنی ملکیت نہیں کہتا تھا اور نہ ایسا سمجھتا تھا۔

شاہی دربار میں صرف دادا جی کی آواز گونج رہی تھی۔ بادشاہ اور وزیروں سمیت تمام دانش ور دادا جی کی بات غور سے سن رہے تھے۔

بادشاہ نے کہا، یہ بتائیے اس دور کی زمین اتنی بڑی جسامت کا اناج کیوں پیدا کرتی تھی اور آج کیوں نہیں کرتی—؟ ہم یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کا بیٹا ایک لاٹھی کے سہارے اور پوتا دو لاٹھیوں کے سہارے چلتا ہے، جب کہ آپ کے پاس لاٹھی نہیں، اور عمر بھی زیادہ ہے۔ کیا معاملہ اس کے برعکس نہیں ہونا چاہئے تھا؟

دادا ہلکی آواز میں ہنسے اور کہا، میرا دور خالص تھا جب کہ موجودہ دور میں کھوٹ ہے۔ آج لوگ اپنی محنت کے بجائے سستی، کاہلی اور کام چوری کی وجہ سے دوسروں کی محنت پر زندگی گزارتے ہیں۔ جب کہ ہم لوگ خود دار تھے، قانونِ فطرت کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ کھوٹ اور ملاوٹ نہیں تھی اس لئے ہمارے دل اور ہاتھوں سے زمین کو خالص اور محبت کی لہریں منتقل ہوتی تھیں — نتیجہ میں فصل اچھی ہوتی تھی۔ ہم خود بیج بوتے، ہل چلاتے اور فصل کاٹتے تھے اس لئے مضبوط اور توانا تھے۔ ہم اپنی مدد آپ کے علاوہ ایک دوسرے کی مدد بھی

کرتے تھے۔ مجھے دیکھ لیں کہ میں دو سو برس کا ہوں لیکن آج کا جوان میرے آگے بوڑھا ہے!

دادا جی کی بات ختم ہونے کے کافی دیر بعد تک دربار میں خاموشی تھی۔سب سوچ رہے تھے کہ جب نیت خالص تھی تو پھل بھی خالص تھا—— آج نیت میں کھوٹ ہے تو پھل بھی——؟

بچو! آج کل جھوٹ اور ملاوٹ کا دور دورہ ہے۔ پانی میں دودھ ملا کر فروخت کیا جاتا ہے ۔ جڑی بوٹیوں اور اناج کے بجائے جانوروں کی آنتوں کا تیل بنایا جاتا ہے۔بازار کے پسے ہوئے مسالوں میں لکڑی کا برادہ شامل ہے۔اسی طرح بعض جگہوں پر سبزیوں کی فصل کو غلیظ پانی دیا جاتا ہے۔گوشت کے نام پر ہم کیا کھا رہے ہیں، اللہ معاف کرے!

جس معاشرے میں جھوٹ اور بے ایمانی پھیلتی ہے وہاں ہر چیز گھٹنے لگتی ہے—— عمر کم ہوجاتی ہے، صحت متاثر ہوتی ہے، اور زمین بھی جب دانہ دیتی ہے تو چھوٹا دانہ دیتی ہے اس لئے کہ ہم جو بوتے ہیں وہ کاٹتے ہیں۔ سچ کا بیج بوئیں گے تو سچا پھل ملے گا۔جھوٹ کا بیج بونے سے اندر میں پھل نہیں رہتا،خمیر بن جاتا ہے۔

اماں نے سبق پڑھایا

بچو! سر سید احمد خان کے بچپن کا واقعہ پڑھیے۔

’’میری عمر تقریباً بارہ برس تھی۔ میں نے اپنے گھر میں کام کرنے والے بوڑھے نوکر کو کسی بات پر تھپڑ مارا۔میری غیر موجودگی میں والدہ کو خبر ہوگئی۔جب میں گھر آیا تو انہوں نے کہا، اس کو گھر سے نکال دو، جہاں اس کا جی چاہے چلا جائے اب یہ گھر میں رہنے کے لائق نہیں رہا۔ایک خادمہ میرا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر لے گئی اور سڑک پر چھوڑ دیا۔خالہ کا گھر قریب تھا۔اسی وقت خالہ کی خادمہ وہاں پہنچی اور مجھے خالہ کے پاس لے گئی۔انہوں نے کہا، دیکھو آپا جی کو نہیں معلوم تم یہاں ہو۔ وہ تم سے بہت ناراض ہیں۔تمہیں یہاں دیکھ کر ہم سے بھی ناراض ہوجائیں گی۔ میں تمہیں ایک کمرے میں چھپا دیتی ہوں وہاں سے باہر نہ نکلنا۔ میں تین دن تک چھپا رہا۔تیسرے دن خالہ مجھے والدہ کے پاس لے گئیں تاکہ میں معافی مانگوں۔اماں نے خالہ سے کہا، اگر بوڑھے بابا معاف کردیں تو میں بھی معاف کردوں گی ۔ جب میں نے ڈیوڑھی میں جا کر بوڑھے بابا کے آگے ہاتھ جوڑے تب میرا قصور معاف ہوا۔ پھر میں نے کبھی نوکروں سے بدتمیزی نہیں کی۔‘‘

خواب تعبیر اور مشورہ

روحانی سبق

ع۔ش، کراچی: خواب میں دیکھا کہ اللہ کے رسول حضرت محمدؐ تشریف فرما ہیں، میری خالہ ان کے پاس بیٹھی ہیں اور حضور پاکؐ میری خالہ کو سبق پڑھا رہے ہیں۔ کمرے میں گہرا سکوت ہے اور حضور پاکؐ کی روشنی سے کمرا روشن ہے۔

تعبیر: ماشاء اللہ خواب بہت مبارک ہے۔ یہ درود شریف کا اثر ہے۔ آپ کی خالہ درود شریف کا ورد کرتی ہیں اور سیرت طیبہؐ سے بہت متاثر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پاکیزہ ذہن عطا کیا ہے۔ ہم سب کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

دربارِ رسولؐ

ثمینہ احمد، لاہور۔ اسکول میں سہیلیوں سے باتیں کر رہی ہوں۔ کوئی بتاتا ہے کہ حضور پاکؐ تشریف لائے ہیں۔ خوشی کے عالم میں اسکول سے باہر آئی جہاں بہت بڑا بازار ہے اور بہت سارے لوگ ہیں۔ کئی لوگوں سے معلوم کیا تو ہر ایک نے بتایا کہ حضور پاکؐ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سن کر مجھے رونا آ گیا اور رو رو کر دعا کی یا اللہ اپنے محبوبؐ کی جھلک دکھا دیجئے۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ کامیابی عطا کرے۔ ماشاء اللہ آپ کا پڑھا گیا درود شریف بارگاہ رسولؐ میں قبول ہوتا ہے۔ رات کو سونے سے پہلے درود شریف پڑھ کر اور گنبد خضرا کا تصور کرتے کرتے سو جائیں۔

گنبد میں آگ

صائمہ، کراچی۔ کسی مزار سے باہر آئی تو دیکھا کہ گنبد میں آگ لگ گئی ہے۔ نند کو پانی کا گلاس دیتی ہوں کہ آگ بجھا دو کیوں کہ نند کا قد لمبا ہے۔ وہ گنبد پر پانی ڈالتی ہے۔ ایک اور لڑکے نے بھی آگ بجھانے میں مدد کی۔ آگ بجھنے کے بعد کہتی ہوں، اللہ کا شکر ہے کہ آگ بجھ گئی۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ نماز کی پابندی کریں۔ گھر میں صفائی کا معیار کم ہے۔ شرعی حدود کا احترام کریں۔ یقین ہے کہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔

بابا تاج الدینؒ

ورشہ سلیم، ملیر۔ امی کہتی ہیں کہ اللہ کے ایک دوست آنے والے ہیں گھر کی صفائی کرو۔ سب صفائی میں مصروف ہو گئے۔ امی چھت پر چلی گئیں اور ہم لاؤنج

میں ہیں۔ اچانک تیز روشنی ہوئی اور بزرگ تشریف لائے۔ بہن سے کہتی ہوں امی کو بلاؤ بابا تاج الدینؒ تشریف لے آئے ہیں۔امی بھاگتی ہوئی آئیں اور ادب سے سلام کیا۔ باباجی نے بہت خوش ہوکرامی کودعا دی،خوش رہو۔اس کےساتھ میری آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: بہت مبارک خواب ہے ۔ ایصال ثواب کا سلسلہ جاری رکھیں ۔ اچھا یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کریں ترجمے کے ساتھ۔

دعاؤں کے ثمرات

رجاءعمران، ناظم آباد۔کسی تقریب کی تیاری ہورہی ہے۔گھر کے تمام افراد موجود ہیں۔ میں سجاوٹ میں مصروف اورموسم کودیکھ کرخوش ہوں۔ کچھ دیر بعد بہن نے سجاوٹ شروع کردی اور میں غبارے پکڑ کر بیٹھ گئی کہ اڑ نہ جائیں اور ایک ایک کرکے بہن کو دینے لگی۔ غبارے دو رنگوں کے ہیں،سفیداورلال۔لال رنگ کا ایک غبارااڑگیا تو اسے دیکھنے لگی کہ یہ کتنا ہلکا ہے جو ہوا کے ساتھ اڑ رہا ہے۔کوئی آکرکہتا ہے یہ فلاں بزرگ کا کچھ ہے (اس کا کہا یادنہیں رہا)۔ میں مسکرا کے کہتی ہوں کہ ہاں! ٹھیک کہا۔ نیلے آسمان اور خوب صورت بادلوں کو دیکھ کرسوچ رہی ہوں کہ یہ ایک بڑا غبارا ہے جس کے ساتھ دوچھوٹے غبارے آس پاس ہیں۔

تعبیر: لاشعور نے بتایا ہے کہ بزرگوں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں ۔ دعاؤں کے ثمرات کے حصول کے لئے آپ کوسیرت طیبہؐ بار بار پڑھنی چاہئے۔

تمام عمرسہاروں پہ آس رہتی ہے

بی بی مریم، کراچی۔ ہاتھ میں کپڑے کی تھیلیاں لئے کہیں جارہی ہوں۔ راستے میں ایک جگہ بچے کھیل رہے ہیں وہاں میرا پاؤں کیچڑ میں چلا گیا تو احساس ہوا کہ یہ دلدل ہے۔ پہلے تھیلیاں دلدل سے نکالتی ہوں پھر باہر نکلنے کی کوشش کرتی ہوں۔کسی نے میری مددنہیں کی۔میں کوشش کرکے خود باہر آ گئی۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ کے اوپر یقین کے ساتھ مسائل کوحل کرنے کی خودکوشش کریں اگر مسائل کا حل ضروری ہو۔ انشاءاللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی۔بچپن میں پڑھا تھا،

تمام عمر سہاروں پہ آس رہتی ہے
تمام عمر سہارے فریب دیتے ہیں

سورہ مطففین

خوشی محمد، گوجرانوالہ۔ایک مراقبہ ہال میں داخل ہو کر کمرے میں گیا جہاں دروازہ کھلا نظر آیا۔دروازے کے دوسری طرف گھاس سے بھرا ہوا خوب صورت لان ہے وہاں ایک صاحب بیٹھے ہیں جن کے سامنے میز پر رجسٹر اور ہاتھ میں بڑا قلم ہے۔حیران ہوں کہ یہ صاحب تو دنیا سے جا چکے ہیں۔اتنے میں کئی لوگ وہاں آتے ہیں جن میں زیادہ تر دوسرے شہر کے ہیں۔ میں ان صاحب سے معلوم کرتا ہوں کہ اتنے افراد آ گئے ہیں کیا نائب نگراں مراقبہ ہال کو خبر کردی ہے؟ اس کے ساتھ ہی جھٹکے سے میری آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: عالم اعراف کے لوگ دنیا میں آتے جاتے

رہتے ہیں۔ وہ ہمیں دیکھتے ہیں ہمارے گھروں میں بھی آتے ہیں۔ قصداً اس لئے ظاہر نہیں ہوتے کہ دنیا کے باسی ڈر جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد کا عالم ہماری دنیا کے عالم کی طرح ہے۔ دنیا میں ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ مسلسل ریکارڈ ہو رہا ہے یعنی ہماری فلم بن رہی ہے۔ کراماً کاتبین دو فرشتوں کی ہمہ وقت ڈیوٹی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کیا سمجھے اعلیٰ زندگی کیا ہے اور کیا سمجھے کہ اسفل زندگی کیا ہے۔ اعلیٰ زندگی جنت نظیر زندگی ہے اور اسفل زندگی دوزخ ہے۔ کراماً کاتبین دو فرشتے، ہمہ وقت آدمی جو کچھ کرتا ہے، اس کو لکھ لیتے ہیں۔ اچھے اعمال کے ساتھ ہر قسم کی آسائشیں لکھی جاتی ہیں اور برے اعمال کے ساتھ تکلیف اور متعین سزا لکھی جاتی ہے۔

سمجھنے کے لئے، لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر بندے کے کندھوں پر دو فرشتوں کی ڈیوٹی ہے۔ آدمی جو کچھ کرتا ہے اچھے اعمال کے ساتھ جزا یعنی انعام و اکرام کی فلم بنتی ہے اور برے اعمال کے ساتھ اسفل زندگی لکھی جاتی ہے۔ یعنی اچھے اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر انعامات اور برے اعمال کے ساتھ شریعت کے مطابق اضطراب، پریشانی، صعوبت اور لاشمار تکالیف لکھی جاتی ہیں۔

سمجھنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ ہم دنیا میں جو کچھ کرتے ہیں ریکارڈ ہو رہا ہے۔ ریکارڈ میں برے اعمال کی سزا اور سزا کی تفصیلات کی فلم بن جاتی ہے۔ اگر کسی آدمی نے چوری کی ہے تو شریعت کے مطابق فلم میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ فلم دیکھتے وقت ذہن اس طرف سے ہٹ جاتا ہے کہ یہ فلم ہے۔ جب وہ تصویر میں ہاتھ کاٹنے کا عمل دیکھتا ہے تو اسے ہاتھ کاٹنے کی تکلیف ہوتی ہے اور تکلیف کا اظہار چیخنے چلانے اور رونے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اچھے اعمال کی جزا کی فلم بنتی ہے۔ کوئی اچھا عمل کیا، اللہ کی مخلوق کی خدمت کی، رسول اللہؐ کے ارشادات پر عمل کیا، اللہ کو حاضر و ناظر جانا تو ان تمام کرداروں کی فلم انعامات و اکرام میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ کیا سمجھے کہ اعلیٰ زندگی کیا ہے، لکھی ہوئی کتاب۔ آپ کیا سمجھے کہ اسفل زندگی کیا ہے، لکھی ہوئی کتاب ہے۔ اس کی فلم تکالیف کی شکل میں نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کردار کو کتاب المرقوم یعنی لکھی ہوئی کتاب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس لکھی ہوئی کتاب کو اللہ کے وہ بندے دیکھتے ہیں، پڑھتے ہیں، سمجھتے ہیں جو قرآن و حدیث کی ہدایت کے مطابق اللہ کے لئے زندگی گزارتے ہیں۔

دنیا میں آدمی جو کچھ کرتا ہے اس کی دو طرزیں ہیں برائی اور اچھائی۔ دنیا سے جانے کے بعد جس زون میں ہمارا قیام ہوتا ہے اس کا نام اعراف ہے۔

اعراف کے دو درجے ہیں۔ ایک درجے میں الٰہی قانون پر عمل کرنے والے آسائش و آرام کے ساتھ رہتے ہیں۔ دوسرے درجے میں لوگ خوف و ہراس اور

انتہائی درجہ تکلیف کی زندگی گزارتے ہیں۔

خواب دیکھنے والے صاحب نے اسی قانون کے تحت خواب دیکھا ہے۔ یہ قرآن کریم میں سورہ مطففین میں ہے۔خواب دیکھنے والے صاحب نے عالم اعراف میں رہنے والے ایک عظیمی بھائی کو اعلیٰ زندگی میں دیکھا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے ایسے اعمال کریں کہ زندگی کی ہر خوشی میسر ہو۔ بواسطہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا ہے کہ مرنے کے بعد اس زون سے محفوظ رکھیں جہاں رحمت اور آرام کا تصور نہیں ہے۔

محترم قارئین! قران کریم کے تیسویں پارے کی اس سورہ میں دوزخ اور جنت کا جو قانون بیان ہوا ہے اس کو ترجمے کے ساتھ پڑھیں اور اس پر تفکر کریں کہ ہماری زندگی کس راستے پر رواں دواں ہے؟

بلی کے سفید بچے

ع،ا،سرجانی۔صوفے پر بیٹھی ہوں۔سامنے والے صوفے پر شوہر بیٹھے ہیں۔شور کی آواز آئی اور ساس دوڑتی ہوئی آکر صوفوں کے بیچ میں گر گئیں، گرتے ہی قے ہوئی جس میں ثابت گول روٹی نکلی۔حیرت ہوئی کہ قے میں ثابت گول روٹی کیسے آئی؟ پھر ساس کے کمرے میں روشنی تیز ہوگئی اور آوازیں آئیں تو میں کمرے میں گئی۔وہاں بلی کے دو سفید بچوں میں سے روشنی نکل رہی ہے۔دیکھتے دیکھتے وہ آدمی کے بچے بن کر مجھے ڈراتے ہیں۔خواب میں زور سے آیۃ الکرسی پڑھتی ہوں۔شوہر نے مجھے جگایا اور پوچھنے لگے کہ تم زور زور سے آیۃ الکرسی کیوں پڑھ رہی تھیں؟

تعبیر: خواب میں خیالات کا ہجوم ہے اور خیالات الوژن پر پھیلے ہوئے ہیں۔آدمی کے اندر ایک پرنٹر ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کو کتاب المرقوم فرمایا ہے۔آدمی جو کچھ سوچتا ہے وہ سب ذہن میں نقوش کی صورت میں محفوظ رہتا ہے لیکن چوں کہ ہمیں ان نقوش کو پڑھنا نہیں آتا اس لئے ذہن منفی معنی پہناتا ہے، ایسے خوابوں کو رویائے کاذبہ کہتے ہیں۔

پاکیزہ خیالات سکون و راحت ہیں۔

خواب میں بیک وقت ذہن دو رخ ظاہر کر رہا ہے۔

۱۔ بے یقینی، شک اور وسوسوں کے ہجوم کا گھیراؤ۔

۲۔ دوسرا رخ ایمان و یقین ہے۔

ایمان و یقین کی مقدار کم ہے جب کہ بے یقینی کی شبیہیں زیادہ ہیں۔

ٹوٹی ہوئی پرانی گاڑی

عشرت جہاں، کراچی۔کھال اتاری ہوئی دو مرغیاں رکھی ہیں۔پانی پینے اٹھی تو دیکھا گھر کا دروازہ کھلا ہے۔خیال آیا کہ دروازہ کھلا چھوڑ کر بچے سو گئے ہیں۔میں دروازہ بند کر دیتی ہوں۔پھر دیکھا کہ کسی کے گھر گئی ہوں جو وہاں موجود نہیں ہیں۔واپس آنے کا سوچ رہی تھی کہ اندھیرا ہوگیا جس کے بعد بیٹے کو فون کرتی ہوں کہ مجھے لے جانے کے لئے موٹر سائیکل پر آجائے۔پھر ٹوٹی ہوئی پرانی گاڑی میں بیٹھی ہوں اور برابر میں ایک

بچہ کھڑا ہے۔ وہ بچہ بڑا ہونے لگا جسے دیکھ کر میں ڈر گئی۔ آیۃ الکرسی پڑھ کر اس پر پھونکا تو وہ چھوٹا ہوگیا۔ وہ میرے پیچھے آنے لگا۔ میں مسلسل آیۃ الکرسی پڑھ رہی ہوں، آیۃ الکرسی پڑھنا بند کی تو وہ بڑا ہونے لگا، چہرہ اس طرح سرخ ہوگیا جیسے دہکتا ہوا انگارا، پھر وہ نڈھال ہوجاتا ہے۔ میں ابھی بھی آیۃ الکرسی پڑھ رہی ہوں۔ اپنے مرحوم والد کو اس کے برابر میں دیکھا۔ والد صاحب کہتے ہیں ہم اس کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

تعبیر: فی الوقت ہم یہاں جو غذا استعمال کر رہے ہیں اس کے بارے میں کم و بیش سب لوگ واقف ہیں۔ خواب میں بتایا گیا ہے کہ ناقص اور ملاوٹ والی غذائیں انتہائی درجہ مضرِ صحت ہیں۔ کیا کچھ ہو رہا ہے، اس سے ہم واقف ہیں۔ راہ نمائی کی گئی ہے کہ ناقص غذائیں استعمال نہ کی جائیں۔ بزرگ خواتین و حضرات کا کہنا ہے کہ شیور کے انڈے میں ولادت کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

سفید کرسٹل جیسی چھپکلی

ع، ا، کراچی۔ مرشد کی خدمت میں مصروف ہوں۔ خیال آیا کہ والدہ کے بارے میں بتاؤں جو کل رات سے کہیں گئی ہوئی ہیں۔ دروازے پر کنڈی کی آواز آئی، اماں آگئیں۔ پھر دیکھا کہ کچن میں بے جان چھپکلیاں ہیں۔ ایک کو ہاتھ لگایا تو سفید کرسٹل جیسی چھپکلی بھاگ کر دیوار پر چڑھ گئی۔ باقی چھپکلیاں اس کے پیچھے ہیں۔

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:.................. والدہ صاحبہ کا نام: ....

پورا پتہ:..................

ازدواجی حیثیت:.................. وزن (تقریباً): .... آنکھوں کا رنگ..................

نیند کیسی آتی ہے:.................. بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):.................. تاریخ پیدائش:..................

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.................. فون نمبر..................

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : ....

....

تعبیر: گھر کے کونوں کھدروں میں صفائی کی ضرورت ہے۔ برتنوں کی دھلائی اچھی طرح نہیں ہوتی چکناہٹ رہ جاتی ہے جس سے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ جب کھانا کھایا جاتا ہے تو جراثیم شامل ہو کر نظامِ صحت کو کم زیادہ اور کبھی بہت زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں زیادہ بیماریوں کی وجہ جراثیم اور ملاوٹ ہے۔

ایک عظیمی بھائی نے بتایا کہ ان کے بھائی نے بند گوبھی لگائی۔ بند گوبھی میں جراثیم (سونڈی) پیدا ہو گئی۔ بازار میں گئے سونڈی کی دوا خرید لائے۔ دوا جب گوبھی میں چھڑک دی، سونڈی گوبھی کے اندر ہی مر گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گوبھی پھول کر بڑی ہو گئی۔ فصل کٹنے پر کاشت کار کو کئی گنا فائدہ ہوا۔

اب دوسرا رخ پڑھیں۔ گوبھی فروخت ہونے کے بعد کاشت کار کے ضمیر نے ملامت کی۔ ذہن میں بار بار یہ بات آئی کہ میں نے لوگوں کو جو کچھ کھلایا ہے وہ مضر صحت ہے۔ کاشت کار نے اپنے بھائی سے تذکرہ کیا۔ بھائی نے کہا، توبہ استغفار کرو تم نے جو کمایا ہے اس کو خیرات کر دو۔ یہ تو پتہ نہیں چلا کہ خیرات کی یا نہیں لیکن اگلی مرتبہ پھر اس نے بند گوبھی کاشت کی۔

بطور خاص صفائی کا خیال رکھیں۔ بیماری حملہ آور ہو سکتی ہے۔

دایاں اور بایاں دماغ

فی زمانہ زیادہ تر لوگ بائیں دماغ کے زیرِ تسلط ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ بایاں دماغ وہی دماغ ہے جس میں نسیان کا عمل دخل ہے۔ یعنی کائناتی علوم کی بے خبری سے آدمی مصائب و مشکلات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ دن کے وقت اس دماغ کا بے دریغ استعمال ہوتا ہے اور وجدانی دماغ استعمال ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا آدمی کائنات کے حقیقی علم سے بے بہرہ رہتا ہے۔ جب یہ بھول چوک والا دماغ دن بھر کام کر کے تھک جاتا ہے تو بے سدھ و بے خبر ہو کر ایسا سوتا ہے کہ اسے وجدانی دماغ کی کارگزاریوں کی خبر نہیں ہوتی۔ آسان علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے وجدانی دماغ (خواب کے حواس) سے بھی رابطہ قائم کرے اور شعوری دماغ میں اتنی سکت پیدا کرے کہ وہ لاشعوری اور وجدانی دماغ کی کارگزاریوں سے واقف ہوتا رہے۔ اس صورت میں دماغ آدھے یونٹ کے طور پر نہیں بلکہ پورے یونٹ کے طور پر کام کرتا ہے۔ اس طرح دنیاوی معاملات میں غلطیوں، پریشانیوں، تکلیفوں اور پیچیدہ بیماریوں کے امکانات حیرت انگیز طور پر کم ہو جاتے ہیں۔

Rooh which we cannot see.

In the context of observing objects and issues in this observation, Qalandar Baba Auliya (RA) says that electric wave that works around our bodies becomes the prism for our sight and hides reality which should dawn upon us.

While mentioning observational flaws due to prism, Qalandar Baba Auliya (RA) informs that God said that you see mountains as standing firm when they are not. This too is the function of prism. Spiritual scientists indicate happenings which are not restricted by time and space. Many such events are occurring in our body and our brain tries to define them using various illustrations.

Every living man gets ideas from somewhere and this reception of ideas continues from cradle to grave. Unless a thought or an idea is displayed in material world after passing through various stages, the restrictions of space and gravity do not apply.

At the time of implementation of an idea, material media starts blocking the idea and it is classified in various stages. The thought or idea starts sensing the restrictions imposed by gravity in addition to its own features. All these restrictions are conscious conditions.

To be continued...

One day, a woman was going to the market. Her son cried and wanted to go with her.

She consoled him, saying “When I get back home, I will slaughter one of the hens in the hen house, and make a chicken burger for you.”

The child was elated to hear this, and stopped crying. The grandfather of the boy was listening to this entire conversation. It was their family tradition to slaughter chicken on the arrival of guests, and it was not usually cut for the family members.

When the woman returned, she saw that the grandfather was about to cut the hen. She inquired from him, “Are we expecting guests today?”

He replied, “Not really, you told the boy that you will make chicken burger for him, that is why I am slaughtering it.”

She objected, “I just said to pacify the boy as he was crying badly. I did not mean it.”

He gave an upset look to her and said, “How can you lie to a child like that? He has been waiting for you to return so you will cook him his favourite meal. Will he not feel cheated once he realises that his mother lied to him? Children know nothing. When you are dishonest with them, you are teaching them how to lie. If a mother deceived a child, how will he ever trust her?

She understood and admitted her mistake. And grandfather slaughtered the hen.

us that we could not get rid of the crutches of material media.

Question arises as to why a right-handed kid cannot write with his left hand? Obviously, he learnt this from his environment. His parents and teachers taught him to do that. They made him practice this and this practice became vital part of his habit and any idea of using left hand for writing disappeared completely from his mind. This applies also to the habit of writing through left hand.

In modern times, scientific development is based on material medium and understanding of this medium is derived from material education although we do not think about the basis of material conscious. All our conscious activities are focused on our bodies in the state of awakening.

The messengers of God consider sub-conscious as the source of these activities and that source can be observed in the state of sleep. In scientific investigation, we try to find out the factors behind natural happenings.

For instance, in primary classes it is informed that rain water is stored in clouds. After a while, the students ask as to where do the clouds get water from? Further observation informs that water is recycled from seas, rivers and lakes through evaporation and this way, step by step, we get to the bottom of knowledge. And the whole picture comes together.

Gap in knowledge creates ambiguity in knowledge and as Stephen Hawking said that ambiguity in knowledge is worse than the absence of knowledge. Since ambiguity creates doubts and every doubtful idea opens up new doors to half knowledge, the scientists spend ages to resolve riddles created by these ideas.

It is now settled that we consider brain as the centre of all our feelings. In conscious awareness, this brain is active in materialism. Due to restrictions imposed by material objects, our conscious performs activities confined within boundaries of time and space. In the zone of sleep, the spatio-temporal restrictions are different and brain remains active neutralising time and space to certain extent.

Spiritual scientists inform that our body is restricted in space and that space follows the gravity of earth. It means that scientific development such as body's observations, experiences and inventions are all enclosed in space and follow gravity.

Qalandar Baba Auliya (RA) informs that space is of three types. One is what is called *Noor-e-Arzi* or the light of earth. Two, when *Noor-e-Arzi* is seen as light. This *Noor* which was just described as light is, in fact, an electric body covering the human body. This cover is a foot thick. The third type is the

i

What Do We See?

In modern times, scientific development is based on material medium and understanding of this medium is derived from material education although we do not think about the basis of material conscious.

Brain observes in two ways. One, it observes through material media, and two it observes without them.

Brain is the agency of observation in both states of sleep and awakening. Using their senses, human beings eat and drink and spend moments of love and hatred. Simultaneously, they remain connected to their bodies and pass through all the experience including intimate experiences during their sleep also.

Brain remains active both during sleep and the state of awakening. When we fly in sleep, we reach from one corner of earth to the other. But why does not the body cover that much of a distance in the state of awakening and why does not brain realise the neutralisation of time when it travels. It is because of the fact that body is enclosed in earth's space.

As against prevalent theories about space, Qalandar Baba Auliya (RA) says, "According to the scientists, space is the state where there is no gravity".

But are there places where there is no gravity? This is a separate debate.

It is due to gravity that man breathes. Without gravity, life is not possible. But there is something in humans, animals, plants and stones that is not influenced by gravity, for instance, whim or a thought. That thought and ideas are free of gravity is verified by many facts.

Man sleeps, gravity helps him breathe but mind remains free of gravity. It sees, eats, drinks and travels from one place to the other in less than a second. Whatever is experienced, is fully memorised by brain as one memorises any activity while one is awake. Whatever man experiences during dream is free of earth's gravity. In simple terms, this definition that space is the state of no gravity is not supported by research.

Life spent in the state of awakening is considered as conscious living and in the state of sleep as dream. As a matter of fact, we live among people who use material media for their activities such as food to address hunger, water to quench thirst, legs to walk and eyes to see etc.

In order to address his needs, man created heavy machinery too. For instance, to cover greater distances, he invented vehicles. To lift heavy objects, he created cranes. To communicate over greater distances, he created equipment such as telephones. All this has created a strong belief in

attachment and bring them to detachment is to sit with them in *muraqba.*

For example, sit with your thoughts about that cup of coffee that you cannot live without. The moment the thought of coffee comes in, the mind signals the body and it begins to react in the same rehearsed pattern that has been used in order to motivate you to make that freshly brewed cup of coffee. The stomach may begin to growl, the tongue may become parched in thirst, and the heart may race in intense craving. As time ticks by, anxiety kicks in as a first caution signal from the mind to the body. This is as if to say, "Looks like we are not going to get that cup of coffee until we push some buttons."

This feeling of deprivation will now push buttons of panic in every cell of the body and begin to push you to react. Your hands may become restless. Your forehead may begin to sweat slightly. Thoughts will pour in, urging you to get up and drink that cup of coffee. You will feel nauseated, or a feeling of sadness may overcome you and more.

Eventually, as more time elapses, and the mind realises that it is not succeeding in provoking you, it links the feelings of deprivation to the more severe memories of deprivation that you have gone through in the past. It may remind you of a time where you were left with no money and had nothing to eat. Or the time when your wallet was stolen, and you had to walk long distances to make it home. This attempt from the mind is to make you feel victimised, so that you react in self-defense, and pick up a cup of coffee.

As you watch the dynamics of the mind and body to hold you ransom to the attachment of coffee, you realise how the servants have become the masters. You should have been in charge of your mind and body, but instead, the attachment has made you the servant of your mind and body.

The easiest way to break the circle of attachment and reaction through *muraqba*, is to bring your focus back to your breath. No matter how far your mind and body decide to take you away from your focus, just return your attention back to your breath. Become aware how the intensity of your emotions and feelings disappear the moment you change your focus.

Repeating this over and over again will reduce the mental, emotional and physical charge in the thoughts of attachment, and slowly and steadily, lead you to the state of detachment and neutrality. Over time, the practice of *muraqba* will wash the traces of old patterns of thinking, and lead you to neutral thinking or the state of Qalandar Conscious.

me to feelings of anger and frustration and I will start experimenting with alternate beverages in an attempt to recreate the good feelings from coffee.

The same is seen in relationships. Let us say that I made friends in school and we had the best times ever, and then after a few years of 'best friendship', I had to change my school. After about a decade, I chance upon my old friend again. My attachment to the good memories with her will instantly rush into my mind and the expectations will be to recreate them and start our relationship from exactly where we left off. But my friend is aloof and has forgotten the times we have shared. Instantly, my attachment to the good times and the expectation of recreating them feel hopeless and dejected. I begin to regret that my friend is not the same anymore and the good times can never come back again.

The antidote to this is to stop playing the old CD of memories and meet life with a new and fresh perspective each time. This is most popularly known as living in the 'Power of Now'.

Attachment is a result of lack of faith in life. For example, it is a feeling of fear that one will not have a better version of friendship if they let their current one go. It is fear that they will not have a better job if they let go of their current job. It is fear that they will never be good leaders if they let go of their aggression and anger, and so on.

The first step to take in order to get out of the tight grip of attachment and move into detachment should be to identify the areas of 'I cannot', 'I must not', 'I will not', and 'I should not'. Whatever is restrictive in your life is a sign of attachment. You are either attached to it and want to keep repeating it out of fear of negative consequences you have faced in the past, or because you have achieved positive feelings that you cherish and want to experience them again.

Once you are aware of your attachments, list out the negative consequences you fear and the positive consequences you are addicted to and see what implications you fear if you let them go. Once you are done with this evaluation, try to see what slight changes you can bring in over the day, the week, month, year and so on, until you achieve the state of detachment.

What do you do after the process of awareness, evaluation and implementation of changes? We must put ourselves under strict observation. The art of observing the self is known as *muraqba* or meditation. Meditation is a subtle art of disciplining the mind and body to stillness, and to discipline the mind and body, you cannot be your mind, neither can you be the body, what are you then? You are the observer of the mind and body.

The best way to observe your

two decades ago. The attachment to the agony will be so strong that after sometime, I will start feeling the symptoms of the pain even when someone is simply talking about a puddle of water. Such is the destructive power of attachment.

It is the same case when it comes to relationships or food items. When we keep associating a certain opinion to something or someone i.e. "She or he is my best friend." "This or that is my favourite food." "I am allergic to milk products." This becomes a replayed memory and the attachment to the belief and opinion strengthens over time. The longer you have practiced attachment to a certain thinking process, the harder it becomes to break free from the adhesiveness of that thought. The root cause of most suffering in the world is due to attachment. The most commonly given advice to practise detachment is to 'let go'.

What is letting go? People think letting go means having to give up on their loved ones and live in solitude. Or they believe that letting go means being least ambitious and living mediocre lives. They even think that it means deprivation and killing ones desires and needs. This version of letting go often scares people into holding on to their attachments tighter.

Letting go simply means trimming the excess. As examples, you can enjoy a good meal but stop over eating. Cultivate great friendships but enjoy solitude. Have amenities for a comfortable life without hoarding. Love your body and keep it fit without being obsessed about physical appearance. Achieve your goals but without killing all competition around you. Letting go, in short means to bring the state of balance out of the extremes we tend to experience in today's living.

Another thing that contributes to attachment is the feel good factor. We are attached to everything that has at one time made us feel good about ourselves or where we have experienced positive emotions. We are so addicted to the feeling that we try to recreate the same repeatedly. But life is ever changing and nothing remains permanent, and problems arise when we resent this change. Because of this resentment towards change, the very same things that used to make us feel good now make us stressed.

To elaborate on this, let us say that I loved my cup of coffee first thing in the morning. It vitalised me; I felt alive and I associated it with a lot of good feelings as a perfect start to my day. After a few decades, my doctor diagnoses acidity linked to caffeine and restricted my intake of coffee on an empty stomach. The old attachment to the feelings I got from coffee is now craving for a repeat, but unfortunately, now every time I drink coffee, I go through the pain of acid reflux. This will lead

i

The Path to Detachment

Meditation is a subtle art of disciplining the mind and body to stillness, and to discipline the mind and body, you cannot be your mind, neither can you be the body, what are you then?

Humankind is struggling to shrug off the weight of stress, internal and external conflicts, the pressure of achievement, financial obligations, the dearth of genuine relationships, a lack of health and more. The 'I' has found various reasons to remain attached to desires of wealth, success and relationships in hope of finding solace in them for their insecurities. However, these very things are the cause of their pain and distress. In other words, mankind is looking for an antidote in the very poison that is killing them.

We have witnessed that the agony people face over a relationship break up, or the loss of a prized object, or facing retrenchment, or being diagnosed with a deadly disease, or any other tragic circumstance is so severe, that they suffer the trauma for many years and push themselves into deep zones of darkness and negative thinking, which eventually leads them into severe depression and pain. Everyone seems to want to let go and rise above attachment without knowing how.

Attachment is created! Yes it is created by continuously replaying something over and over in our minds. For instance, let us say I was walking on the street and I saw puddle of water and just before I could move away from it, a car drove past and splashed the dirty water all over me.

Let us say the agony did not end there and I had to go in for a meeting immediately thereafter and as I had no extra time to clean myself, I was forced to be embarrassed before the attendees of the meeting due to my dirty clothes. Let us assume, as my state of mind was disturbed, I could not give my best in the meeting and could not meet their or my own expectations and the meeting was a failure. The shame, frustration, and embarrassment become such a pain that I begin to record this incident as an intense negative memory in my mind. The agony I went through makes me so attached to this memory that I begin to replay this event over and over again. I begin to talk about it to my friends. I begin to sulk, and days and weeks go by in negativity.

The result is that the memory has now lodged itself in my deeper subconscious mind where it has become a part of permanent records of experiences. As a consequence, whenever I see a puddle on the road from now on, my body and mind will start reacting unconsciously from the memory that I have saved. I will begin to feel the same pain and agony that I felt during the first instance, even though it may have occurred

their doing that people are brought to the right path, rather they openly announce that whatever they say, is from God. They perform their duties and deliver God's message to the people in a logical and intellectual manner. Every prophet and messenger fulfilled the duty for which their appointment was made.

The occurrence of a miracle is for imbedding the 'wisdom' of God into the minds of the people. Every miracle is there to showcase the Lordship, Authority and Omnipotence of God.

"O Messenger! Make known that which hath been revealed unto thee from thy Lord, for if thou do it not, thou will not have conveyed His message."

(Quran, 5:67)

God has blessed prophets with miracles to support and strengthen them. They had made it clear to everyone that they are only messengers, prophets, cautioner and bringers of glad tidings. No prophet claimed that they were appointed to make changes in nature. Rather, every prophet has mentioned that they can make changes only through the authority given to them by God, and that is only if and when God Wills.

Miracles

Prophet David (PBUH) and Prophet Solomon (PBUH) were given the miracles of understanding the language of animals, and authority over the wind and Jinn. Prophet Moses (PBUH) was given nine clear signs of which two were the staff and the shining hands. The destruction of the Pharaoh in the Red sea and the children of Israel's victory were also great signs. For Prophet Abraham (PBUH), God turned the huge fire whose flames were touching the sky into a fire of peace. The 'She-Camel' was a sign for the nation of Prophet Saleh (PBUH). The nation of Prophet Hud (PBUH) and Prophet Noah (PBUH) experienced the wrath of God when they remained persistent in transgression even after consistent efforts by prophets to guide them, the wrath was inflicted as prophesied. Prophet Jesus (PBUH) was given many miracles that are discussed in detail in the holy Quran.

Prophet Muhammad (PBUH) was given the miracle of the Holy Quran, and no one will be able to come up with anything even close to it until Judgement Day. The descending of angels from the heavens during the Battle of *Badr* to aid the Muslims in achieving victory was another great miracle. And through the following declaration, "It was not you (Muhammad) but God who threw dust at them," another miracle was announced, which troubled the eyes of a thousand enemy soldiers in the battlefield of *Badr*. Prophet Muhammad (PBUH) was also blessed with the miracle of splitting the moon into two pieces.

(Episode 4)

that one man should die for the people, and not that the whole nation should perish.'"

(Bible, John 11:47-51)

Eid al-Fitr was two days away, and the leaders, clerics and religious intellects were looking for an opportunity to kill Prophet Jesus (PBUH) through a wicked trap. They had fear in their hearts that the people would revolt, if they were to find out about his arrest. When Prophet Jesus (PBUH) sensed the disobedience and wicked thoughts of his enemies, he gathered his disciples in one place and said,

"You are well aware of the evil activities of the leaders and priests of the children of Israel. Now this is a difficult and testing time. Who among you is ready to sacrifice for God and face this time bravely?" The disciples of Prophet Jesus (PBUH) replied earnestly and honestly, "We are the helpers and worshippers of God, and you bear witness that we pray for steadfastness, O' God! We believe in the Book that You have revealed, and we follow Your messenger faithfully. O' God! Write our names in the list of those who sacrificed their lives for truth and oneness."

After gaining affirmation from his supporters, Prophet Jesus (PBUH) waited to see how the strategies of his opponents played out, and for God's decree on how to resolve the situation.

The Holy Quran says, "And they (the disbelievers) schemed, and God schemed: and God is the best of schemers." (Quran, 3:54)

Eventually, the day came the leaders and clerics of the children of Israel managed to surround Prophet Jesus (PBUH) in a house – they locked and besieged it. In that critical time, God sent glad tidings to Prophet Jesus (PBUH),

"O Jesus! Lo! I am gathering thee and causing thee to ascend unto Me, and am cleansing thee of those who disbelieve and am setting those who follow thee above those who disbelieve until the Day of Resurrection. Then unto Me ye will return, and I shall judge between you as to that wherein ye used to differ."

(Quran, 3:55)

Neither they Killed, nor Crucified Him

"And because of their saying: We slew the Messiah Jesus son of Mary, God's messenger, they slew him not nor crucified, but it appeared so unto them; and lo! those who disagree concerning it are in doubt thereof; they have no knowledge thereof save pursuit of a conjecture; they slew him not for certain, but God took him up unto Himself. God was ever Mighty, Wise."

(Quran, 4:157-158)

The appointment of a prophet and messenger is to guide people and bring blessings and prosperity. They never claim that it is of

in worldly affairs

• Love the creations of God

However, the tendency to transgress had been ingrained in their traditions for centuries. They decided to oppose Prophet Jesus (PBUH) and his disciples. When people who were deemed less privileged and socially weak according to worldly standards wholeheartedly accepted the message from God, the arrogant and ignorant faction of the children of Israel mocked and ridiculed the messenger of God, behaving in an insulting manner.

Prophet Jesus (PBUH) neither married, nor built a house. He moved often and travelled from town to town, village to village, all to deliver the message of God and invite people to the true path. He slept on the ground during the night. People felt spiritual satisfaction and would be cured of physical illnesses due to his pure self and pious nature.

They gathered in huge numbers on paths that Prophet Jesus (PBUH) walked, as a display of their strong love and respect for him.

The enemies of Prophet Jesus (PBUH) saw his popularity through the lens of jealousy. The leaders, clerics and intellectuals began to plot against the Prophet of God. They were unable to find a way to remove this hurdle however, and eventually, they decided on attempting to have Prophet Jesus (PBUH) hanged, by reporting him to the king.

They said to their king, “Your majesty! This man is not only becoming a threat to just us, but to the entire kingdom. There will remain no religion of our ancestors if we do not take immediate action. Your rule may end. This man has made people admirers of him through strange tricks. He wants to become the king by getting their support. He has gained control over people’s consciousness and has ended their sense of judgement. He is amending the faith, and if this evil is not managed immediately, we will lose the country.”

After a long debate, Pontius Pilate allowed the arrest of Prophet Jesus (PBUH), to be presented before him in the royal court. The elders, clerics and religious intellectuals were happy to acquire this decree and congratulated each other. So, they went about plotting how to arrest Prophet Jesus (PBUH), waiting for a time when he would be alone, to avoid the wrath of the people.

They All Will Embrace Faith

“Then the chief priests and the Pharisees gathered a council and said, ‘What shall we do? For this Man works many signs. If we let Him alone like this, everyone will believe in Him, and the Romans will come and take away both our place and nation.’ And one of them, Caiaphas, being high priest that year, said to them, ‘You know nothing at all, nor do you consider that it is expedient for us

i

Prophet Jesus (PBUH)

They said to their king, "Your majesty! This man is not only becoming a threat to just us, but to the entire kingdom. There will remain no religion of our ancestors if we do not take immediate action…"

Prophet Jesus (PBUH) invited his disciples to begin eating. However, they requested that he eat before them. Prophet Jesus (PBUH) said, "This is not for me, this has been descended on your demand." When they heard this, they worried over what the consequences of having the food would be. When Prophet Jesus (PBUH) saw this, he said, "Call the poor, needy, disabled and sick. They have rights over this food."

Thousands of people enjoyed it to their fill, but the food did not decrease in quantity.

It is said that when the poor ate of it, they became wealthy, the blind recovered their sight, and the sick became healthy. At night, the table spread returned to heaven. Those who did not get a chance to eat from it felt upset that they were deprived of the blessings from paradise.

The next day, the 'table of blessings' descended again by the Will of God. Many people enjoyed it once again. The food tasted exactly to every individual's preference in flavour. This miracle continued for 40 days.

However, there was a condition set for the food that descended directly from the sky, where only the down trodden and ailed could eat of it. The rich and healthy were prohibited from eating it. After some days though, people began to violate this rule, and hence the ruling was changed so that everyone could have it, on the condition that they did not save themselves food for the next day. After some more time passed, the people disregarded the new restriction too, and consequently, the descension of the table stopped. As punishment, God changed the faces of the transgressors into those of monkeys and pigs.

Prophet Jesus (PBUH) preached the true faith through signs and verses from God. He advised the people to:

- Believe in God and His Oneness
- Bear witness to prophets and messengers of God
- Believe in the last day of judgement
- Have faith in the existence of angels
- Believe in destiny
- Believe in the prophets of God and Holy books
- Adopt ethics and avoid evil deeds
- Offer prayers
- Refrain from getting consumed

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

said the small voices. "But you are so small…How will you manage this?" Tonyk asked. "Release us and we will show you," they answered. Tonyk set both the spider and the wasp free. The spider immediately began to weave a web in the shape of a ladder that shone bright as steel. The wasp allowed the spider to mount him and slowly flew higher and higher to allow the spider to keep weaving the ladder until it reached the top of the mountain where the bandit kept Mylie.

Tonyk climbed the ladder and reached the top. He saw that the bandit had tied Mylie up and was making preparations to torture him. Just then, the wasp stung the eyes of the bandit multiple times and blinded him. The bandit tried to fight the wasp but could not protect himself and fell down. The spider took this chance to weave a steel-strong web around the bandit and left him imprisoned and motionless.

Meanwhile, Tonyk had undid his brother's bonds. Hugging him, he led Mylie out of the bandit's hideout and to the foot of the mountain. Mylie wept bitterly in regret for his cruelty against those whose gifts had saved his life. They left in haste towards their uncle's castle. As they reached the castle entrance, they saw their horses waiting for them. On the saddle of Tonyk's horse, they saw that his donated cloak and purse were hanging. The purse looked heavier than before and his cloak was laced with precious jewels.

Tonyk tried to make sense of the situation and as he turned, he saw that the wasp and spider that had continued to travel with him, had changed into bright, white lights. They said to him, "You are a very kind heart, and have reached the goal of this journey. This is your reward." The lights then soared up and away, leaving Tonyk and Mylie staring after them in wonder.

Moral of the story:

God Almighty says, "Whoso bringeth a good deed will receive tenfold the like thereof, while whoso bringeth an ill deed will be awarded but the like thereof; and they will not be wronged." (Quran 6:160)

The above story talks about the reward of good deeds being multiplied ten folds by God, the most Benevolent, without us even asking for it. Tonyk never expected returns for his deeds but was pleasantly surprised to see his actions being rewarded. Mylie on the other hand, who refused to help people on his way, was punished for his folly but was not harmed. He was only taken through a tough situation to make him realise his mistake. This is the extent of God's mercy even upon the sinners. It is important to note that God wants us to realise our mistakes, regret and come back to Him by practicing prophetic ways of living. He wishes for us to serve each other as He serves His creatures. At every stage of life, He gives us opportunities to recognise our mistakes and offer repentance.

not feel that the wind was unbearable. Tonyk looked at his brother in surprise and said, “You are not feeling cold because you are wearing over four layers of clothing over you. The child on the other hand is not even wearing one proper layer of cloth over him.” Mylie laughed and said that he did not care much as the boy was only a peasant boy, but Tonyk was greatly affected. He dismounted his horse and asked the boy what he was doing. The boy pointed at the bundle of twigs he had collected and replied that he was searching for wood amongst the trees to be able to sell and buy some warm clothes. Tonyk accepted the twigs and gave the boy his woolen cloak in return. The boy was very happy and hugged Tonyk. Tonyk asked the boy to pray for his brother Mylie and their mother, and then left.

As the two brothers journeyed on, they came by a large meadow by a spring. Next to it, an old man was seated whose back was completely hunched over. The old man called out to both of them and said, “I am old and weak, and I cannot walk any longer. I will surely die if one of you does not sell your horse to me.” Mylie retorted in anger, “Sell our horse! Do you have the money to pay for the horse, old beggar?” The old man took out a hollow acorn and said, “This has a spider in it that can weave a web stronger than steel chains. I will exchange it for your horse.” Mylie began to laugh in mockery and said that he did not believe in such a spider. Tonyk was moved by the old man’s plea and gave him his horse in exchange for the acorn. The old man mounted the horse and rode away.

Mylie was very angry with his brother and admonished him, “Do you think I will now share my cloak, money and horse with you? You are mistaken. I want you to learn the consequences of your foolhardiness.” Saying this, he rode away, leaving Tonyk to walk the rest of the journey alone.

As Mylie rode off, he came to a gorge between two tall mountains. A bandit lived on top of those mountains, and was always alert for travellers who chanced to pass. Travellers would often carry their shoes in their hands and tip toe so that the bandit would not hear their footsteps as they passed by. But as Mylie was new to the route, he knew nothing about the bandit. The ring of the horse’s hooves woke up the bandit and he raced towards Mylie. He then captured him and took him atop the mountain. Tonyk who was walking behind, heard Mylie’s cry and started thinking of how to help his brother. Suddenly, he heard three shrill voices near him that said, "Let us help you!” He looked around in surprise and wondered who was speaking to him. Listening closely, he realised that the voices were coming from his jacket’s pocket. Tonyk put his hand in his pocket and pulled out the acorn and the walnut.

"Can you two save Mylie?" he asked in astonishment. "Yes!"

The Reward of Good Deeds

He looked around in surprise and wondered who was speaking to him. Listening closely, he realised that the voices were coming from his jacket's pocket.

A long time ago, there lived two young and rich noblemen in Brittany named Mylie and Tonyk. Mylie, the elder of the brothers, was sixteen and Tonyk was fourteen years old. Both were well educated, but Tonyk was inclined to piety. Mylie, on the other hand, did not like to give to people more than what was strictly due them, and was full of vengeance.

They had lost their father at a very young age and their mother had raised them. She had decided to send them to their uncle's house so that they could learn the ways of business and life. She handed them a purse of money each and told them to set out to their uncle's castle. The boys were delighted and rode their horses fast, finally reaching a new country where the shape of trees and corn was different to what they were used to.

As they rode along the path, they saw an old woman who looked like a beggar seated on the wayside. She was hiding her face with an apron and crying. Tonyk halted his horse and got down to ask her, "Why are you crying dear woman?" The woman, now sobbing uncontrollably said, "My only son who was my world has passed away and I am now left to beg for a living." Tonyk was touched, but Mylie was doubtful about the woman's intentions and suspected that she was putting on an act to get money out of them. He even bluntly expressed his thoughts to the woman. Tonyk cut his brother off and said, "Do not hurt her more with your harsh words brother. She is old enough to be our mother." As he said this, he kneeled down and gave her his purse. "This is all I have and can give you. But I will surely pray that you will receive comfort soon. The woman accepted the purse and replied, "You have helped me in my time of need my son, and hence you cannot refuse my little gift in return. It is a walnut with a wasp inside it. The sting of this wasp is very sharp." Tonyk took the walnut, thanked the old woman, and went on his way with Mylie.

The two brothers soon reached the outskirts of a forest. There they met a child dressed in torn and tattered rags. He was rummaging amongst the trees and rubbed his hands as he complained about the weather. He cried as the sharp wind was too cold for him to manage. Tonyk began to feel the pain of the child and his eyes began to tear. He told his brother, "Mylie, look at how the little child is suffering from the cold wind." Mylie was unconcerned and told Tonyk that he did

mighty in projection? How is it that the reel of mankind – a mere speck of dust in size – becomes a projection of strength and might on the screen of life on Earth?

Her next thought suddenly caused her great pain. What if one considered the Earth as a screen, and on it projected mankind as far and wide as possible, making them a widely known and famous entity? They would have an image of themselves as larger than life, which would distance them from the reality of their existence, which was a miniscule particle of dust. The ego would mask their awareness. Is that why material success deluded so many, and wrenched them from the path of their true existence? Is that why the people of God took no credit, wanted no fame, accumulated no wealth and did nothing to be recognised? The only entity they considered to be great was God Almighty, and they chose to remain as humble servants in His service.

As she moved deeper into introspection, she noticed that the image projected on the screen was an inverted image of the one on the reel of film. As an example, what was on the right side on the film (negative), was on the left side when it was developed as a photograph. She wondered if that is why mankind thought they were moving forward in life, when they were actually going back to where they came from? Did the dimensions and directions of their lives have any significance at all?

She hurried to her closet and held an old negative of the film in her hands and looked through it. She could not identify the images or the memory by looking at it. She could not see any color in negatives and yet when light was exposed on them, they developed into colourful images. What was the reality of mankind in the absence of light? The characters seemed to be nothing more than colourless images that looked alike. One could not tell one from the other in the negative film, but once a negative was developed, the images began to expose themselves and the objects and people could be clearly recognised. She wondered if in the reel of film, all humans were alike in the form of the *Noor* (a stage of divine light) ? This triggered more memories of the teachings of her spiritual master. He had said that colours were the manifested side of light, and hence we were all colourful at the level of physical existence.

She took a large sip of her tea, then emptied her cup before noting down on a piece of paper,

“A reel of film could be considered as the *batin* (imprints) of every creation in *Noor* (a stage of divine light), and a developed photograph (colours) as the *zahir* (manifested side) on Earth.

I am a beam of light
That bursts into colours
On the screen of life

that disappeared or faced destruction after it was exposed to the light. She began to wonder aloud, "Could we not say that the first reel of film that unwound was our life on Earth? And that the second reel, where the film wound back around to, was the *Aaraf* (hereafter)? Could we not say that every moment on Earth once spent, moved into the unseen world?" The person she was yesterday had moved into the unseen world. The same reel of film that was unwinding on Earth was winding up in the hereafter. And after it unwinds in the hereafter, it will wind up in the next realm, and this process will continue in the series of existences at every level.

She remembered the various teachings of her beloved spiritual master:

"This life on Earth begins with our birth and remains until we die. In the case of a child that lives in the womb of a mother for nine months, the womb is considered as space for the child and the period of nine months taken for the birth is considered as time. When the child is a day old, it implies that the child has covered space in the time frame of a day. When the child is a year old, it implies that the one-year of their life has been lost in *Zamaniat* (time) and that the very first day of the second year of their life has manifested itself in *Makaniat* (space). So, we can say that this entire life is nothing but time. First there is time, and then there is space. When one dies, they are transferred from one time zone to another. And yet again, the chain of events of walking and movement begins in the new zone."

"All humans in this world have come from somewhere else at their birth, and will travel elsewhere at their death. This implies that everything in this world is arriving and leaving. All activities of life are encompassed between this arriving and leaving."

She sat there a while, replaying her master's wisdom. It was intriguing to her that the reel of film could be reviewed and replayed repeatedly, and that no character would ever cease to exist. The soul dresses itself in a body of flesh and bones while living on Earth, and discards it for a body of light at death, entering the next zone.

She further noted that the reel of film needed light to expose it. On its own, the film would be simply be a set of colourless images. The light gave form, colour and dimensions to the seemingly unattractive, and static images on the negative of the film. It was pertinent to note that the images that were only as big as a pinky fingernail took to the shape and size of the screen they were projected or developed on. The same negative of film that can produce a stamp sized photograph can also produce an image the size of a billboard and cover a tall sky-scraper. What was this power of the light that increased the size of miniscule things and made them seem so

she had befriended a camera and her passion for photography had blossomed.

She was in her early teens when she was gifted her first camera. It was light and small and easily fitted in her palm. In those days, the cameras needed reels of film to be able to take photographs unlike the digital versions of today. As they had fixed number of slots, one could take roughly 30 pictures from one reel of film. Therefore, one had to be very selective in what they wanted to capture for their memories. No matter how many days one toured or how many temptations one went through, the reel of film remained limited and had to be used with discretion.

Moreover, after taking the shots, there was no guarantee that they would be developed into photographs thanks to over and under exposed reels, occurring when one loaded or off loaded them from the camera. Back then, the studios not only gave you your developed photographs, but also the negatives (or the exposed reel of film), which could be stored for later use. One could redevelop the negatives anytime they wanted, and hence create more copies of the same picture.

As the memories flooded in, her thoughts shifted to *Loh-e-Mahfooz* (The Preserved Scriptorium). A question posed itself. The *Loh-e-Mahfooz*, on which the program of the entire universe played, was exactly like the reel

of film, was it not? The question captivated her mind and as she focused more on the subject, she began to unravel some mysteries.

As the image of the *Loh-e-Mahfooz* began to reveal itself to her in her thoughts. She began to feel that it had innumerable slots or frames and that each slot represented a scene of life, and each frame captured a moment in time. There were successive images of a moment like she had seen in flipbooks. The reel of film however, seemed to feed through at a constant speed that it was set up at. The speed with which those moments unfold became our life span in terms of seconds, minutes, hours, days, nights, weeks, fortnights, months, years, decades, centuries, millennia and eons.

She then visualised the projector upon which there were many reels. She noted that the film arrived from one reel, and after being exposed through light for a brief moment, wound up back around the centre of the second reel. There were no moment of the reel

i

The Reel of Film

She could not see any color in negatives and yet when light was exposed on them, they developed into colourful images. What was the reality of mankind in the absence of light?

As she sat browsing through her collections of photographs, she realised that she had thousands of them. Some seemed like repetitive shots of things that had held her fascination, but if one were to give them a closer look, they would see that they were successive shots that captured the different moods of a single object or person in a sequence.

It reminded her of the little flip-books in her childhood that had almost the same scene on every page in a successive sequence. If one flipped through one page at a time, they would only see a static picture per page. However, when one flipped through the pages with speed, it looked like the character from the static pictures was moving and performing actions.

It was the excitement of wanting to capture the beauty of a moment from every possible angle that kept her behind the lens of a camera. Her family often jested about her passion for photography. She feigned sadness for a while as they laughed, and then laughing with them, she went on to take more pictures. Her family, despite making fun of her passion, left her to what she did best, which was to create references to all their memories for a lifetime.

After vacations or special occasion, when she would compile her best shots and make a slide show of them, her family often sat together and viewed them, laughing as they reminisced on their experiences. Every picture brought back memories of fun and frolic. At times, they were also reminded of adventures and conflicts before or after the photographs were taken. But all in all, the photos she had taken always brought the family together. It served as an inclusive exercise too she found, for those members of the family who were not able to be part of the special occasions physically.

Her favourite part of the day was when she sat with the collection of pictures and a hot cup of tea, scanning through her shots and reliving the different moments of her life – her childhood, school, college, marriage, motherhood, adventures, vacations, achievements and more.

She offered gratitude to her beloved God for blessing her with these moments of fulfillment. The pictures reminded her of all the ups and downs in her life that she had lived and loved. And one such day, as she sat browsing through her collection, she came across pictures of a trip she had taken with her parents as a teenager. That was the first trip where

intrinsic nature to circulate and go through different hands. The proof comes to light when you put your ears close to a locked money box from which money is not being spent; you will hear that the wealth within it, is in motion in all directions."

Sheikh Muhyi al-Din Ibn al-Arabi (RA) defined *Insan* (human) as, "An *Insan* is the heart of the body, and a believer is its soul and inner." He then said, "There are actually two houses:

- The house of cognition which is the self.
- The house of observation which is secret.

Any house without the two is wilderness."

A mind free of gravity is needed for observation and cognition. Life on earth is focused on fulfilling one's food requirements, even though food is filth. Every edible thing begins and ends in rot and decay. Food is for the growth of the body; the requirements of the soul are entirely different. Sheikh Muhyi al-Din Arabi (RA) says, "The excess of food intake is a sign that a person is distant from God. That person is clenched in the grip of ego with full force. Less food intake is a sign that the thirst to meet God is dominant over the heart, and therefore, shows that one is far from selfishness."

However, he advised to be careful when it comes to practicing hunger. He said, "In all cases, hunger helps people on the path of spirituality, but only if one does not transcend. Extreme hunger can lead to insanity and may disturb one's state of mind. With the permission of a spiritual master, a disciple should remain hungry to a certain extent."

Ibn al-Arabi (RA) has written poetry as well. A section from one of his poems, *'Behr-e-Be-Kanar'* (An ocean without a shore) is as follows.

Translation:

I marvelled at an Ocean without a shoreline,
and a shore without an ocean;
At the light of dawn free from darkness,
and the night that had no sunrise;
At a sphere that had no zone,
known to neither an imprudent nor the wise;
At the blue dome raised upon earth,
that spins around its core in compulsion;
And finally at a rich Earth without an all-encompassing vault,
and no precise locale, for the secrets veiled…

In 620 Hijri, Sheikh Muhyi al-Din Ibn al-Arabi (RA) chose to live in Damascus on the request of its ruler Al-Malik Al-Adil. Ibn al-Arabi (RA) passed away on 28th Rabi Al-Thani 638 Hijri, 1240 CE.

there was light as a barrier between them. Sheikh Ibn al-Arabi (RA) could see him, but Ibn Rushd had no idea that there was anyone else there, as the light had become a veil. Regarding this phenomenon, Ibn al-Arabi (RA) said, "He could not turn his attention towards me because he was consumed in contemplation."

A decrease in space is nearness, and an increase in it creates a veil. Ibn al-Arabi (RA) has explained this in a beautiful manner,

"The moon is one; its movement and destination are one too. However, it has a different impact on every individual. The waning of the moon contains the message of nearness, whereas waxing of the moon is a veil. This is very strange."

People in the east, especially those whose mother tongue is Persian, know Sheikh Muhyi al-Din (RA) as Ibn al-Arabi (RA). In the west, he is also known as Ibn Suraqah (RA). He wrote about 500 books of which *Fusus al-hikam* (The Bezels of Wisdom) and *Al-Futuhat al-Makkiyyah* (The Meccan Revelations) are very famous.

As per Sheikh Muhyi al-Din Ibn al-Arabi's teachings (RA), Makkah is a cross section between the Seen and Unseen realms. His first stay in Makkah was for two years. During this time, he became known in the educational and religious circles of Makkah. During his stay, he started writing '*Al-Futuhat al-Makkiyyah*' in 599 Hijri. The book consists of 560 chapters and was completed in 635 Hijri. In Arabic, the word *Fatah* means to open or to unveil.

The objective of writing '*Al-Futuḥat al-Makkiyyah*' was to disclose the secrets of Makkah and to guide and lead people to its spiritual treasures. This information is also in the book called '*Rooh Al-Quds*'.

In Makkah, Ibn al-Arabi (RA) met Sheikh Shahab al-Din Suhrawardi (RA). After the meeting, when Sheikh Shahab al-Din Suhrawardi (RA) was asked about how he found Ibn al-Arabi (RA), Sheikh Shahab (RA) replied, "He is an ocean without a shore." When asked about Sheikh Shahab (RA), Ibn al-Arabi (RA) said, "He is a pious person."

Contemplation is flight in the world of ideas. It broadens one's mind and acquaints them with those things that lie within oneself but are dormant in the chambers of forgetfulness. Everything that one is not aware of is like a closed door. Ibn al-Arabi (RA) said, "If you see a closed door, act to open it as there is something beyond which you are not aware of."

People indulge themselves in piling up wealth. However, it is the nature of the whole universe, including that of wealth, to be in a motion. Sheikh Muhyi al-Din Ibn al-Arabi (RA) says, "The life of wealth is in spending it, as it is created for this purpose. It is its

loves you solely for you, trust in their love, because this is the true love. The love of God for His creations is the same. He loves them for themselves, not for His own sake."

As it was cold, a fire was lit in one of the gatherings. A philosopher entered who had no belief in miracles and wonderworking. Seeing the fire, he said, "It is not possible that Prophet Abraham (PBUH) could have remained unharmed from the fire. The attribute of fire is to burn; in the story, fire is a metaphor for the rage of Nimrod. And 'throwing Prophet Abraham (PBUH) into fire' should be interpreted this way."

Sheikh Ibn al-Arabi (RA) said, "Do you deny the story mentioned in the holy Quran? Look at the fire. It is the same fire that burns." The philosopher nodded in affirmation and said, "This is fire and its function is to burn."

Sheikh Ibn al-Arabi (RA) overturned the pot in which the fire was burning into the lap of the philosopher and started turning the embers with his own hands. His hands did not burn, and neither did the clothes of the philosopher. He then asked the philosopher to put his hand in the fire, and as he did so, his hand was burnt. Sheikh Ibn al-Arabi (RA) said,

"Whether the fire burns or not, is subject to the command of God."

Ibn Rushd was famous in the sixth and seventh Hijri, and was also friends with Sheikh Ibn al-Arabi's (RA) father. He is credited with translating Aristotle's teachings. When he heard of Ibn al-Arabi (RA), he wished to see him. Here is a short narration of their first meeting.

Sheikh Ibn al-Arabi (RA) entered the house of Ibn Rushd (Averroes when Latinised) who warmly welcomed him and said "Yes?" Sheikh Ibn al-Arabi (RA) replied, "Yes." Ibn Rushd was happy upon hearing this and thought that Ibn al-Arabi (RA) had understood him. Seeing this reaction, Sheikh al-Arabi (RA) learned about his habit and therefore also added, "No." This changed the expressions of Ibn Rushd. He remained quiet for some moments and asked, "Have you found any solution through *kashf* and *ilham* (stages of revelation)?"

Ibn al-Arabi (RA) replied, "Yes and no. Between the yes and no, spirits escape from their material bodies and their necks are removed from their bodies."

Ibn Rushd turned pale and said, "There is no might nor power except God." He understand what Ibn al-Arabi (RA) was inferring. This is where their first meeting ended.

Sheikh Ibn al-Arabi (RA) wished for another meeting with him. This time, the way they met was different due to the blessing of God. Ibn al-Arabi (RA) saw him in the Unseen world, but

Sheikh Ibn al-Arabi (RA) spent a long period of his life travelling and met many great Sufis of his time. He wrote many books during this, whilst at the same time attaining spiritual knowledge.

He wrote about *Kashf* (a stage of realisation, or the unveiling of a secret) that occurred to him in the city Fez as follows:

"During the *Asr* prayers at the Al-Azhar mosque near Ain al-Khail, I witnessed divine light engulfing everything. There was no difference between what lay before me and what lay behind. It was evident that directions were illusions. There were similar signs of this kind before too, however in them, only the view before me used to disappear. This was the first experience for me in which all directions were concealed."

Dear readers, concealment of directions is linked to a mind free of ego.

Ease and unease are a part of life. Since the world is an examination hall, success in it is subject to sacrifices. Sheikh Ibn al-Arabi (RA) advised his students, "While sacrificing, remember God before yourself. God gives priority to the one who gives priority to God before themselves. Remember Him before you remember yourself. Your name will be written in a book containing names of those who look for God, and God looks for them."

Regarding comfort and discomfort, Ibn al-Arabi (RA) says, "Spend the six stages of life in remembrance of God. Do not be upset, no matter how exhausted you get, because comfort awaits you at the seventh stage. Be careful with your words and speak when you are addressed. After speaking, see what sort of impression it has upon you. If you have experienced peace, make it your abode."

Ibn al-Arabi (RA) did not have a good opinion of Abu Abd Allah Tartusi (RA), as Abu Abd Allah Tartusi (RA) did not like Sheikh Abu Madyan (RA). Ibn al-Arabi (RA) was honoured with a dream containing Prophet Muhammad (PBUH), who asked him, "Why do you consider Abu Abd Allah Tartusi (RA) a bad person." He replied, "He has malice for Abu Madyan (RA)." Prophet Muhammad (PBUH) asked him, "Does he love God and His beloved (PBUH)?" He replied, "Yes." Prophet Muhammad (PBUH) said, "Then why do you not like him?" Ibn al-Arabi (RA) felt ashamed and said, "O' messenger of God, I repent." The moral of the story is evident in a saying from Ibn al-Arabi (RA) that says:

"In a gathering, you will find ministers where the king is. Never sit anywhere that is farther from the king."

Those who lead a life that defies the laws of God, distance themselves from God. God does not like malice and negative feelings. He appreciates love, forgiveness and cautiousness.

Regarding true love, Sheikh Ibn al-Arabi (RA) says, "The one who

in the court of Abu Yaqub Ibn Yousuf, the king of Seville. Hence, they migrated to Seville, where Ibn al-Arabi (RA) spent his adolescence.

He acquired his elementary education in Murcia and Lisbon. In Seville, he benefitted from the company of prominent scholars. At the age of 20, after attending a feast in Seville, there was a round of wine being served. He heard a voice from the Unseen as soon he held the wine glass, "Is this what you have been created for?"

As he heard this, he immediately put down the glass and worriedly left the place. On his way, he met a shepherd wearing dusty clothes. He went with the shepherd to the outskirts of the city and exchanged clothes with him. After hours of wandering in wilderness, he reached a graveyard near a river bank where he settled and busied himself in the worship of God. He returned after four days, and under the supervision of his spiritual master, did a 9 month's long *chilla* (spiritual exercise). The details of the spiritual exercise of Ibn al-Arabi have been stated by Ibn Sodkeen as follows:

"My seclusion began from *fajr* (morning prayer) and *fatah* (unveiling of secrets) occurred before dawn. After *fatah*, the feeling of *Abdar* took over me, and other stages subsequently revealed to me."

Ibn al-Arabi (RA) is also famously known as Al-Sheikh al-Akbar (RA). Once, he was circling the Kaaba and saw a man who was doing the same, but was untouched by everyone. Ibn al-Arabi (RA) realised that he was seeing a soul. When the man got close to him, Ibn al-Arabi (RA) greeted him. The man answered and talked about few things. This was the soul of Sheikh Ahmed Suyuti (RA).

Ibn al-Arabi (RA) says, "A human being must contemplate his soul and think on how it entered into the already decorated city of the body. One must also observe what wisdom and best proportions are placed by God within them, because God has made them in the best of stature. When you learn to see things in this perspective, then you must indulge in it further, such that no angle of the human being is left unexplored, and what treasures lies within them are all the treasures of God. Without a doubt, you hold a highest knowledge. God says, 'We will show them signs in the heavens and within their own selves, till it becomes evident to them that it is the Truth.' Muse over 'within their own selves'. So, do you not see that those who cognise themselves, cognise the Lord? Whoever is more aware of the self, is closer to the Lord. Attain the depths and soul of everything. Take only the best knowledge of all knowledges, like the honeybee, when it extracts honey for itself. Only drink rain water, as it is distilled and contains more knowledge."

i

Sheikh Ibn al-Arabi (RA)

"In a gathering, you will find ministers where the king is. Never sit anywhere that is farther from the king."

The objective of God's friends is to introduce people to the most beautiful relationship, that is the relationship between God and His creations. Regardless of what direction one may look, one observes that God has made the best system of provisions for the comfort of His creations. From cool breezes, rain, and to the particles of sand – all are appointed to serve the creations and make them understand the infinite nature of the love God has for them.

This article is a synopsis of these teachings, and the events of the life of a pious man who unveiled secrets through contemplation within himself, driving the attention of people towards the *batin* (inner). "The cognition of God is a blessing that you must accept. Whatever you are blessed with comes from Him. The cognition of Truth is achieved through Truth, not through the creations. And through Truth alone the cognition of creation is achieved too. So, hold on to Truth earnestly with true intentions, and you will find Truth. Do not look for it on impermanent paths, as any path that is temporary cannot connect to what is perpetual."

This is a saying from Sheikh Ibn al-Arabi (RA) who was born to a prestigious Arab family in Murcia, a city of Andalusia, in 560 Hijri (1165 CE). This family was also honoured with another revered man, Hatim al-Tai (RA), who is known for his generosity. His full name was Muhyi al-Din Muhammad ibn al-Arabi Al-Hatimi Al-Tai Al-Andlusi, also called Al-Sheikh al-Akbar (RA). His father Ali ibn Muhammad (RA) was associated with the court of the Spanish ruler, Muhammad ibn Saeed Mardanish.

Ali ibn Muhammad (RA) had no son. One day, he requested his spiritual mentor, Hazrat Sheikh Abd al-Qadir Jilani (RA) to pray to God to bless him with a son. Sheikh Abd al-Qadir Jilani (RA), who is also known as Ghaus al-Azam (RA) prayed for him. After doing so, it was revealed upon him that there was no son in his student's destiny, and that it would only be possible if someone were to give him their son.

The honourable spiritual mentor said, "A boy will attain the zenith in my descendants, that I give to you. Name him Muhammad." A son was then born to Ali ibn Muhammad's (RA) home. He brought the baby to his master who said, "He will attain enlightenment."

Murcia was invaded by Almohads and Ali ibn Muhammad's (RA) family moved to Lisbon (current capital of Portugal). At that time, Ibn al-Arabi (RA) was eight years old. His father was offered a prominent position

V

It requires profound contemplation as to why it is imperative to know oneself (*Nafs*) before one can know God. This is because, *Nafs* or *Zameer* (conscience) are the *Noor* (a stage of divine light) of the inner self, and *Noor* is the attribute of God upon which the earth and skies are established.

Listening to the voice of the *Noor* or one's conscience negates illusory senses. To negate means to fulfil one's responsibilities, but leave the result of their efforts on God, and then be content with what God decides for them. One should be grateful at all times, and should spend life in service of people, while holding the thought in mind that God is a witness to all their actions. When the thought of being witnessed by God turns into observation, the grip of the illusory senses loses its strength and one is then acquainted with the soul.

• • ———————— • •

The lives of prophets convey that one cannot step into the ocean of *marifat* (cognition) unless they follow the voice of the conscience. A friend of God, Hazrat Zauqi Shah (RA) puts it as,

> "Consider the life of Prophet Muhammad (PBUH) as a magnifying glass that enlarges the details of Oneness. If you strengthen your relation with him, the cognition of Oneness will reveal itself to you." (Tarbiyat al-usshaq)

Dear readers, when one follows the teachings of Prophet Muhammad (PBUH) and is immersed in his thoughts, they are guided to the secrets of God. The friends of God advise their disciples that in order to attain the cognition of God, they should see Prophet Muhammad (PBUH) with the eyes of the heart.

God has given zenith to the *zikr* (remembrance) of his beloved Prophet Muhammad (PBUH) and has advised believers in the following manner:

> "Lo! God and His angels shower blessings on the Prophet. O ye who believe! Ask blessings on him and salute him with a worthy salutation." (Quran, 33:56)

May God protect you.

of *Insan*. And whoever detaches, can be anyone, but not God. These words of Prophet Abraham (PBUH) shed light on the *Ana*. The same *Ana* has been attributed by Prophet Muhammad (PBUH) as *Nafs*, and God has called it *Hablil Wareed* (Jugular vein). God cannot be estranged from *Ana* (conscience) or *Nafs*, and this very *Ana* is the first step in the cognition of God."

(*Loh o Qalam*)

• • ———————— • •

Dear readers! the saying of Prophet Muhammad (PBUH) that the cognition of God is through the cognition of self is the code of life. Every action of Prophet Muhammad (PBUH) negates trust in mortal beings. He kept his expectations only from God and had firm belief in Him. He went through extreme circumstances in his life, but nothing could falter his conviction in God.

Ana is the voice of the conscience. One of the levels of *Ana* is mentioned in the account of *mairaj* (the night of ascension). The Lord of the universe states, "Prophet Muhammad (PBUH) says only what God ordains him to say."

> "By the Star when it setteth, your comrade erreth not, nor is deceived; Nor doth he speak of desire. It is naught save an inspiration that is inspired, which one of mighty powers hath taught him, One vigorous; and he grew clear to view. When he was on the uppermost horizon, then he drew nigh and came down till he was two bows length or even nearer, And He revealed unto His servant that which He revealed. The heart lied not (in seeing) what it saw." (Quran, 53:1-11)

• • ———————— • •

Being in harmony with the will of God, obliging to the voice of the conscience, and dependency on the Lord are attributes that dominated the life of Prophet Muhammad (PBUH). He endured ordeals and hardships with patience, faced heart-wrenching incidents resolutely and stood victorious against all odds by reposing trust in God.

When Prophet Muhammad (PBUH) would go out of his home, children and other people on the streets would pelt stones at him at the behest of Umm Jamil. When he would reach home drenched in blood, Hazrat Khadija (RA) would ask him sadly, "Did you go through a lot of torment today?"

His reply expounds the resoluteness and centredness of his mind. He said,

> "O Khadija, when an *insan* (human) realises for whom and why they are undergoing pain, the feeling of pain and discomfort ceases to exist."

• • ———————— • •

tranquil person, they wake up. Waking up in *Aalam-e-Nasoot* (the material world) is the same as sleeping in the realm of dreams; and this applies the other way around too. There is a third scenario however, that relates to people who are spiritually illumined, such that their subconscious mind takes the place of their consciousness. For these men and women, the state of dream and wakefulness become alike.

• • ———————— • •

What is a dream? It is wakefulness during sleep. Despite this fact that one has the ability to wake up in both realms, they cannot use this faculty as per their will, because the layer of sleep becomes a veil for them due to their confined senses. However, there do exist people, and they are present at all times, who in sleep and wakefulness, are blessed with the sight of Prophet Muhammad (PBUH). They meet other revered souls as well because the layer of sleep does not become veil for them. This brings us to a question; how can one enter the subconscious while in the state of wakefulness?

The beloved of God, Prophet Muhammad (PBUH) says,

"Whosoever knows himself knows his Lord."

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) explains this Hadith with the following:

> "The Lord of the universe is connected to *Insan*'s faculty of speech. It may arise in a reader's mind that God is the creator of both good and evil. This is correct as Islam gives testimony to this fact. However, despite being the Creator of good and evil, the responsibility of one's actions does not fall upon God as God has entitled *Aadmi* (man) to adopt good or evil. The first example of this was the restriction imposed by God on Adam from going close to the forbidden tree. Before this restriction, Adam was given the right to both visit or abstain from going to the tree. Therefore, being the Creator of good and evil is an attribute of God, and to commit evil or refrain from it is the prerogative of *Insan*."

• • ———————— • •

What is *Nafs* (self)? *Nafs* in *tasawwuf* (spirituality) is referred to as *Ana* which is free from 'I'. Since this *Ana* is free from self-references, the spatiotemporal limits do not exist for it. The accounts of prophets explain the phenomenon of the *Ana* in detail. When Prophet Abraham (PBUH) became curious as to who and where his Lord is, his mind turned attentive towards the heavenly bodies.

> "When he saw the moon, the sun and the stars vanishing from his sight, he said, 'I don't keep friends with those who hide.' This refers to the fact that God cannot be negated; because He is the one who cannot in any way be detached from the conscience

musing over any thing is in fact an interaction between an object and an individual.

There is a mechanism within everyone that communicates about good and evil. It talks to us at all times, directs us to do or not do things, informs us about the state of peace and restlessness, introduces us to fiction and reality, and draws our attention towards itself to help us find God. It continues to function even when an individual is asleep. This mechanism is the conscience of a person.

The following account ascertains that during sleep or after one's passing, the hearing frequency of an individual increases.

> After the Battle of Badr, Prophet Muhammad (PBUH) visited the burial ground of the tribal heads of Quraish, and called their names. Having seen this, the companions of the Prophet (PBUH) asked him, "Do they listen?" He replied, "You do not hear more than them. They are indeed listening to what I am saying."

• • ——————————— • •

Our body drifts off into a peaceful state when we sleep or dream. This is because, at this point in time, the inner voice and the subject who is asleep are both in harmony with each other. During this time, contrary to the state of wakefulness, the individual does not ignore the voice of his conscience, rather he follows it. This elucidates that when one is aligned with their inner voice, they step into the "mould of *Insan* (Human)".

We all observe dreams. What we see in a dream is a reflection of life that we spend in wakefulness. If the feelings of fear, anger, thanklessness, greed, injustice, discontentment or disobedience are prevalent in wakefulness, the same frame of mind is resounded in one's dream. A person with a defective pattern of thinking sees complex dreams, and at times, wakes up shivering with racing heartbeats as they experience nightmares. On the contrary, when one follows the footsteps of prophets and messengers of God, they meet revered personalities, and witness divine lights during their sleep.

A dream is a realm where one is aligned with the inner voice at all times, whereas the life in wakefulness is contrary to it. Therefore, when one wakes up, it means that they have travelled back from the realm of obedience to disobedience. To simplify it further, when one commits disobedience in the realm of obedience, they are expelled instantly from that realm, and as a result, they wake up in this world. Upon reading this, a question may surface, why do tranquil people who are in harmony with their inner self wake up from sleep?

Life is lived with a particular set of habits and strengths. When a person exhausts their energy, they drift off to sleep. Similarly, in the state of sleep, when the *anwaar* (divine lights) go beyond the capacity of a

i

Message of the Day

The unveiling of the universe with the sound of '*Kun*' conveys that life is sustained on sound. When God wished to display the programme of the universe, He commanded, "*Kun*," and with the voice of God, the universe with all its details came into being. As life begins from sound, it is therefore the basis of life.

Kun means 'to be'. That is, 'become', for whatever is embedded in the command. *Kun* has two aspects. One of them is sound itself, and the other are the features within it. Sound is a material aspect of an object, and it acts as a cover for the features enclosed in it. Whereas these features are non-physical facets of sound. This is how, with the proclamation of *Kun*, both material and immaterial facets of life came into form.

• • ———————— • •

Life traverses on the direction of the inner voice, and people interact with each other through it. However, if one wishes to measure the time and space of sound between two people, two species or two solar systems, it is impossible.

We hear sound in both material and immaterial forms, that is, with words and without words. The material form of a sound is synonymous to a casing that holds meanings and images within it. A message in both material and immaterial form, is established upon waves, and waves are light. Light encapsulates the features, and these features exist due to the will of God.

So, the casing or the outer layer of a sound is a covering on an object, and becomes a veil for the restricted senses. Due to this, one restricts themselves to the sounds and does not contemplate on how messages display on to their minds through the medium of sound.

• • ———————— • •

The exterior of sound appears as words, but its interior comprises of images and features. However, in both cases, the sound is one. The distinction arises due to the casing over it.

Read this article attentively in silence. Because, when one is engrossed in reading, the words begin to speak for themselves and acquaint us with their meanings. For instance, those who enjoy gardening take pleasure in talking to flowers and plants, and the plants and flowers reciprocate with a sound that is beyond words. The arrival of ideas while

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	172
Sheikh Ibn al-Arabi (RA)	Gul-e-Nasreen	167
The Reel of Film	Bibi Anuradha (UAE)	161
The Reward of Good Deeds	Roshan Sitara	157
Prophet Jesus (PBUH)	Extracted	153
The Path to Detachment	Umar Tariq	149
What Do We See?	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	145

"The nourishment of body is food, while the nourishment of the soul is feeding others."

- Hazrat Ali (AS)

Vol 7 Issue 10 | November 2019 | Rabi-ul-Awwal — Rabi-ul-Thaany 1441AH

بسم الله الرحمن الرحيم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief

Huzoor Qalandar Baba Auliya RA

Chief Editor

Khwaja Shams al-Din Azeemi

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.80/- Per issue. Annual subscription Rs.1080/- with Reg. Post (Domestic), US$ 70/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020